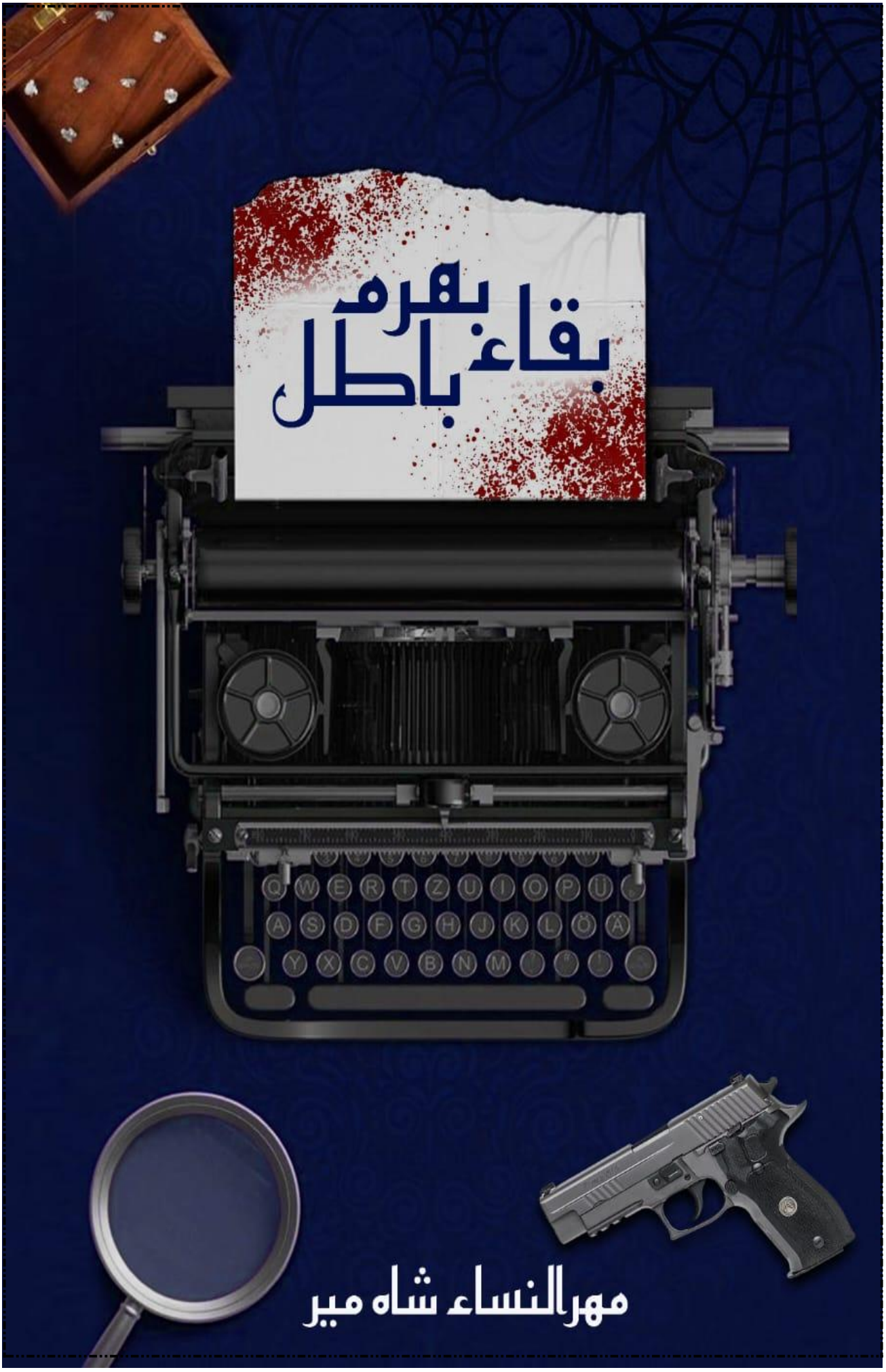

بقاء بھرم باطل
مہرالنساء شاہ میر

مہرالنساء شاہ میر کے قلم سے

بھرم، بقا، باطل؟

بخرہ اول : بھرم

قسط نمبر دوئم

اٹس پرسنل

("جب ہم بچے تھے تب ہمیں جو کہانیاں سنائی جاتی تھیں ان میں آرام سے پتا چل جاتا تھا یہ برا یہ اچھا ۔۔۔۔۔" آتش دان والے کمرے میں لڑکی کی آواز گونجی۔ "تب کہانیاں اتنی پیچیدہ نہیں تھیں۔اب ایسا کیوں ہے؟"

"کیسا؟" مرد نے سوال کیا۔

"سب کچھ بہت بھاری بھاری ہے۔ایسے جیسے ہضم کرنا بہت مشکل ہو۔"

"اب میں تمھارے لیے اکبری اصغری پڑھنا شروع کروں؟" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مکمل سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔جیسے اگر وہ کہہ دے تو وہ واقعی پڑھ لے گا۔

لڑکی نے ناک چڑھائی۔"تم جو کر رہے تھے وہی کرو،ہنہہ۔مجھے یہ بتاؤ عالمگیر کس قسم کا آدمی ہے؟"

اس کے اس سوال پر مرد ہلکا سا مسکرایا۔("جان لیتے ہیں۔")

★★★★★★★

"عالم یہ تیسری دفعہ ہے اب باہر جا کر سدھر جانا ورنہ اب کے تمہاری وکالت پر بھی حرف آئے گا۔" جیل کے وسیع و عریض احاطے میں جہاں کئی قیدی اونگھنے، تاش کے پتے کھیلنے میں مصروف تھے وہیں عالمگیر یمن زمین پر جھکا، ہتھیلیوں اور پیروں کی انگلیوں کے زور پر پُش اپس لگانے میں مصروف نظر آ رہا تھا۔ قیدیوں والے لباس میں اس کے پھولے ہوئے پٹھے تن رہے تھے۔ "مرد کو اپنی ساکھ کا بھی سوچنا چاہیے۔"

"میرا کوئی قصور نہیں، راہب۔ جب برا وقت چل رہا ہو تو سانس دینے والی ہوائیں بھی گھٹن سے بھر جاتی ہیں۔" اس نے اپنا عمل جاری رکھتے ہوئے کہا۔ آواز بھاری اور کانوں کو بھلی معلوم پڑتی تھی۔

"کہہ کون رہا ہے؟ کیا میں نہیں جانتا ان ہواؤں میں دم گھونٹنے والے اجزاء کی ملاوٹ کون کرتا ہے؟" اس کے پاس لیٹا راہب استہزائیہ انداز میں بولا۔

عالم کے ہاتھ رک گئے، اوپر سے نیچے ہوتی ہر حرکت بھی رکی۔ گردن ترچھی کر کے اس نے اپنی بائیں طرف نیم دراز سیگریٹ کے دھوئیں سے چھلے بناتے راہب کو کاٹ دار نظروں سے دیکھا۔

"تمھیں تو اردو دان ہونا چاہیے تھا یہ تم جیل کن چکروں میں آ گئے؟"

"شاید میرے لیے بھی ہواؤں میں سازشیں بھری گئی تھیں۔" وہ اسی کے لہجے میں بولا تو عالم سر جھٹک کر ایک بار پھر کسرت کرنے لگا۔ چہرے پر سوچ کی پرچھائیں تھیں۔ اس کی چھوٹی ہیزل آنکھیں احاطے میں کھڑے باقی قیدیوں اور ان کی حرکات کا معائنہ کر رہی تھیں۔

"ایک بات پوچھوں، عالم؟" یکدم راہب سیدھا ہوا۔ عالم بھی اب کسرت چھوڑ کر سیدھا ہو بیٹھا تھا۔ سانولی سی رنگت والا یہ مرد ایسا تھا کہ اسے دیکھنے والا کوئی بھی شخص چند پل کر لیے ٹھٹھک سکتا تھا۔ مضبوط کسرتی جسم، ہیزل آنکھیں، کھڑی ناک اور چہرے پر ہلکی داڑھی۔ اس کی آنکھوں کا ٹھہراؤ اور چہرے پر ہمہ وقت رہنے والی بے زاری اسے مزید جاذب نظر بنا رہی تھی۔ سیاہ سفید پٹیوں والے لباس میں اس کا توانا جسم واقعی قید تھا۔ اس کے

متعلق اس کے خاندان والے کہتے تھے کہ "عالمگیر، یمن خاندان کا سب سے خوبرو مرد ہے" سچ کہا جائے تو یہ کچھ غلط بھی نہیں تھا۔

"حد میں رہو اپنی عالمگیر ہے میرا نام۔ عالم تو ایسے کہہ رہے ہو جیسے تمہارا اور میرا سالوں پرانا

یارانہ رہا ہو۔" پاس رکھے اپنے بستے سے صاف ستھرا سا تولیہ نکالتے ہوئے وہ اکتاہٹ سے بولا۔ "خیر پوچھو کیا پوچھنا ہے۔" سفید تولیے سے چہرہ اور گردن صاف کرتے ہوئے کہا۔

"تم ناراض ہو جاؤ گے۔"

"انار کلی کی آخری نسل نہیں ہوں جو نخرے کر کے ناراض ہوتا پھروں۔ کچھ برا لگ گیا تو۔۔۔۔" اس نے ہاتھ بڑھا کر ایک طرف اشارہ کیا جہاں اس جیل کے سب سے بدمعاش قیدی ریحان اور اس کا گروپ گپے ہانک رہا تھا۔ "ان لوگوں سے کہہ کر تمہاری پھینٹی لگواؤں گا۔"

"مجھے لگا تھا ہم دوست ہیں۔" وہ خفا ہوا۔

"ایک اور نوابی چونچلا؟ عالم صرف اپنا دوست ہے۔"

"رہنے دو یار مجھے کوئی بات ہی نہیں کرنی۔" وہ اٹھتے ہوئے بولا ساتھ اپنے لیے دوسری بیڑی سلگائی۔

"اگر تم نے نہیں بتایا تو میں تمھیں شاہ نواز کے گروپ سے پٹواؤں گا۔" گردن اور چہرے سے ہلکا ہلکا پسینہ صاف کرتے ہوئے اس نے جیل کے نسبتاً کم خطرناک گروپ کا نام لیا۔ ہاتھ تو خیر ان کے بھی خوب چلتے تھے۔ راہب اس سے بات کر کے پچھتایا۔ وہ پوچھنا چاہتا تھا "کیا تم نے واقعی اپنی تین بیویوں کا قتل کیا؟" لیکن چونکہ اس سوال سے لاٹ صاحب کے ناراض ہونے کا خدشہ تھا تو ذرا سی تراش خراش کے بعد اس نے سوال بدل دیا۔

"تم پہلی بار جیل کیوں آئے تھے؟ اور کتنے عرصے کے لیے؟"

عالم دونوں بازو گردن تک لے گیا، ٹھیک سے کس بل نکالے پھر راہب کو دیکھا۔ دھوپ پڑنے پر اس کی آنکھیں

چھوٹی ہو رہی تھیں۔ ”پہلی بار میں جیل اس لیے آیا تھا کیونکہ میں نے ایک جھوٹی گواہی دلوائی تھی۔ کچھ ماہ کی سزا لگی، مزہ آیا یہاں آکر۔“

راہب نے اسے اپنی بیڑی کی پیشکش کی جسے اس نے ہر دفعہ کی طرح ٹھکرایا۔ قانون کو جوتی کی نوک پر رکھنے والا حفظان صحت کے سارے اصولوں پر پورا اترتا تھا۔ (سستی بیڑی نہیں وہ مہنگا سیگریٹ پیتا تھا)

”دوسری بار؟“

عالم نے ٹھوڑی کھجائی۔ ہیزل آنکھیں دھوپ پڑنے پر مختلف رنگوں میں منعکس ہو رہی تھیں۔ رنگت چمک رہی تھی۔ ”دوسری بار میں انتقام کی آگ میں جلتے ہوئے آیا تھا۔ (جیل میں بیٹھ بیٹھ کر بالی وڈ دیکھنے کا انجام) جب میں پہلی بار آیا تھا ناں تو ایک قیدی سے میرا جھگڑا ہو گیا تھا اور اس کے اگلے دن میری رہائی تھی لیکن ابھی اس کی رہائی میں چار سال باقی تھے۔ میں تازہ شروعات کرنا چاہتا تھا دل میں کُدورت رکھ کر کیسے کرتا؟“ وہ بولتے بولتے رکا۔ راہداریوں میں ایک طرف کھڑا حوالدار اسے کچھ اشارہ کر رہا تھا۔ عالم نے سمجھ کر سر ہلا دیا تو وہ پلٹ گیا۔ کسی نے نظروں کا یہ ملنا اور پلٹنا نہیں دیکھا۔

”مجھے واپس آنا پڑا۔“ کھڑے ہوتے ہوئے، اپنا صاف ستھرا بستہ کندھے پر ٹانگتے ہوئے کہا۔ اس کے جوتے جو ایک طرف رکھے تھے وہ بے داغ اور مہنگے تھے۔ راہب اس کے ساتھ اٹھا۔ جانتا تھا کہ عالمگیر نے یقیناً کچھ رشوت دے کر اچھا کھانے کو منگوایا ہو گا اور بچا کچھا اسے ملے گا۔ ”تیسری دفعہ یعنی اب۔۔۔۔۔ اب میں اس لیے آیا ہوں کیونکہ مجھ پر توہین عدالت کا مقدمہ ہے۔“

”کیا توہین کر دی تم نے؟“

”کچھ نہیں جج نے پوچھا کہ میں اپنے مقدمے کے لیے پچھلی تاریخ پر عدالت کیوں نہیں آیا تو میں نے سچ بتا دیا۔“ وہ راہداریوں میں مڑتا ہوا جا رہا تھا۔ کئی ایک دفعہ اس نے کسی شناسا کو ہاتھ ماتھے تک لے جا کر سلام بھی کیا۔ بدلے میں اسے سلام کیا گیا۔ یہاں اس کے دوست نہیں تھے یہ سچ نہیں تھا، وہ کسی کو دوست مانتا نہیں تھا یہ سچ تھا۔

"تم نے کیا کہا تھا؟"

"میں نے کہا، جج صاحب اس دن میرا موڈ نہیں تھا۔"

وہ جتنی سنجیدگی سے بولا اس کے ساتھ چلتے راہب نے اسے اتنی ہی بے یقینی سے دیکھا۔ اتنے میں وہ دونوں عالمگیر کی کوٹھڑی تک آ گئے تھے۔ حوالدار وہیں کھڑا تھا۔ عالم نے آس پاس محتاط نگاہ ڈالی پھر جیب سے ہزار کا نوٹ نکال کر اسے دیا۔ شاید اسے لگتا تھا وہ عالمگیر یمن نہیں کسی مغل بادشاہ کی چھوڑی ہوئی میراث کا واحد وارث ہے۔ عیاشی کا جیل میں یہ عالم تھا باہر یہ آدمی کیا کرتا ہو گا؟

"تم نے جج کو یہ بول دیا؟" راہب نے اس کے لیے کوٹھڑی کا دروازہ کھولتے حیرت سے کہا۔

"جج میرا باپ نہیں تھا جس سے میں لگی لپٹی رکھوں۔" وہ گردن جھکائے اندر داخل ہوا۔ جیل کی ایک یہی بات اسے بری لگا کرتی تھی۔ "جج کو سمجھنا چاہیے تھا ان دنوں میری بیٹی بیمار تھی۔ بیوی پہلے ہی مر چکی تھی، میں پریشان رہا کرتا تھا۔ عورت کے بغیر گھر مکان لگ رہا تھا۔ میرے کام اور چیزیں بے ترتیب تھیں۔" وہ زمین پر پڑے نرم گدے پر آ کر بیٹھا۔ ایک طرف رکھی صاف ستھرے برتنوں میں سے ایک پلیٹ نکالی اور اس میں فرائیڈ چکن نکال کر سجایا۔ کولڈ ڈرنک کا گلاس بھرا، پھر سفید چاولوں کا ڈبہ کھولا۔ "خیر تم صرف یہ نہیں پوچھنا چاہتے تھے اصل مقصد پر آؤ کیا بات تھی؟" جیسے کہ پہلے سوال کا جواب درست تھا، ہنہہ۔

راہب نے اسے نوالہ بناتے ہوئے دیکھا پھر فرائیڈ چکن کا بڑا حصہ منہ میں منتقل کرتے اور

ساتھ کولڈ ڈرنک کا گھونٹ بھرتے بڑے ہی غور سے دیکھا۔ خشک لبوں کو تر کیا اور۔۔۔۔۔۔۔ پھر اس نے وہ پوچھا جو اسے واقعی پوچھنا تھا۔

"سب کہتے ہیں تم نے اپنی تین بیویوں کا قتل کیا ہے کیا یہ سچ ہے؟"

عالمگیر یمن بڑی دلفریبی سے مسکرایا۔ اس کی آنکھوں میں کوئی پر سراریت تھی۔ لب سچ کہنے کے لیے مقفل، مگر کہانی گڑھنے کو تیار۔ وہ چند لمحے چپ چاپ اسے دیکھتا رہا، پھر بے حد مدھم لہجے میں کہا۔

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام

وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

وہ اب راہب کی پلیٹ میں کچھ کھانا نکال رہا تھا۔ کوٹھڑی کے ایک کونے میں پڑے لکڑی کے ڈبے، جن کے اوپر چاقو کی عجیب سی ضربیں تھیں اپنی ذات پر ہونے والے سوال کو سراب میں بدل دینا، وہ کیا کھیل ترتیب دے رہا تھا؟

★★★★★★★★★★

"ایک ہفتہ بعد"

"کیا اسے ایک بار پھر دیر ہو جائے گی؟"

یہ وہ واحد خیال تھا جو پورے ایک ہفتے سے شاہ زید بنگش کے دل و دماغ میں کہیں اٹک کر رہ گیا تھا۔ ملازمت، منصوبے، دوست، کسی ڈاکے کی تفتیش یا کسی سیریل کلر کی تلاش سب بھرم تھا، حقیقت منہ کھولے اس کے سب سے قیمتی تعلق کو نگلنے کے لیے کھڑی تھی۔ بالکل ویسے جیسے چار سال قبل۔ وہ منظر آنکھ سے ہٹتا کب تھا؟ اس نے آنکھیں جھپکیں تو منظر پھر تازہ ہوا، وہ باسی ہوا کب تھا؟

تیز آنکھوں کو چبھنے والی روشنیوں میں کتنے ہی لوگوں کو ہٹاتے ہوئے وہ آگے بڑھ رہا تھا۔ دل کسی انجانے خدشے میں گھرتا ہی چلا جا رہا تھا۔ اس کے گھر میں بہت سارے لوگ جمع ہو رہے تھے۔ ڈھیر ساری باتیں، چہروں پر تاسف، ہمدردی اور ملال بھی۔ وہ آگے بڑھ رہا تھا، کیوں کیسے اسے کچھ معلوم نہیں تھا۔ سیاہ سفید زینوں پر اس کے پیر جیسے پھسل رہے ہوں۔ سیلنگ کی اجلی بتیاں آنکھوں میں چبھ رہی تھیں۔ مدھم سی آوازیں، کسی کونے سے بلند ہوتا بین وہ کچھ سننا نہیں چاہ رہا تھا۔ کوئی کال کر کے اس کی بڑی پھپھو سے کہہ رہا تھا۔

"اِناللہ واِنا اِلیہ راجعون، اللہ کی چیز تھی، صبر کرو۔"

ابا کے کمرے کے باہر شور بلند ہو رہا تھا۔اس کی ماں رو رہی تھی۔اس کی بہن بلند آواز میں چیخ رہی تھی۔شاہ ویر کے الفاظ ہمدردی لیے ہوئے تھے اور رئیس مخدوم چوکھٹ پر کھڑا تھا۔اس کا چہرہ خالی تھا۔شاہ زید چھوٹے چھوٹے قدم لیتا ہوا آگے آیا۔دروازے کی چوکھٹ پر آکر وہ

تھم گیا۔آگے بڑھنا زندگی اور موت دونوں تھا۔

تمکنت، تاج، شاہ ویر، حسین، نایاب، رئیس سب وہیں تھے۔بستر پر ایک وجود تھا جس کے اوپر سفید چادر پڑی تھی۔اس نے بے اختیار دہلیز کا سہارا لیا کسی نے اس کے پیروں سے زمین کھینچ لی تھی۔وہ دھیرے دھیرے نفی میں سر ہلانے لگا۔شاہ ویر نے اسے دیکھا تو تیزی سے اس کی طرف آیا۔شاہ زید کی نگاہوں کی بے یقینی تھی کہ ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

"بابا نے مجھے۔۔۔۔۔۔۔بابا نے کال کی تھی، ویر۔" وہ اٹک اٹک کر بتا رہا تھا۔چہرہ سفید پڑ رہا تھا۔"ان کو مجھ سے ضروری بات کرنی تھی۔۔۔۔۔۔میں۔۔۔۔۔۔بابا۔۔۔۔ان کو بولو زید آگیا ہے۔بابا کو بتاؤ زید آگیا ہے۔"

"تم نے دیر کر دی، زید۔" شاہ ویر نے کھینچ کر اسے گلے لگایا اور بلند آواز سے اس کے ساتھ لگ کر رونے لگا۔شاہ زید ہذیانی انداز میں خود کو آزاد کروا رہا تھا، بار بار اپنے باپ کو پکار رہا تھا لیکن جواب اب کبھی آنا ہی نہیں تھا۔شاہ ویر اگر سختی سے اسے خود میں بھینچے نہ کھڑا ہوتا تو وہ اس وقت پلنگ پر پڑے وجود کو جھنجھوڑ چکا ہوتا۔

"باپ صرف ایک انسان یا ایک تعلق نہیں ہوتا باپ سائبان ہوتا ہے، شاہ زید بنگش نے اس روز باپ یا تعلق نہیں سائبان کھو دیا تھا۔"

وہ شاہ ویر کی طرح رو نہیں رہا تھا۔وہ رئیس بنگش کی طرح بے تاثر بھی نہیں تھا۔رئیس کا باپ تو عرصہ پہلے مر چکا تھا۔شاہ ویر کے لیے باپ تعلق تھا لیکن شاہ زید کے لیے ۔۔۔۔۔۔۔۔اس کے لیے اس روز زندگی بدل گئی تھی۔پچھتاوے نے اس روز جو اس کے دل کا رستہ دیکھا تو بھولا وہ آج بھی نہیں۔اس روز چوکھٹ سے لوگ ہٹ گئے، تدفین ہو گئی لیکن زید اس فون کال کے درمیان اٹک کر رہ گیا تھا۔

ملگجے لباس میں نیم تاریک کمرے میں اپنے پلنگ پر بیٹھے ہوئے اس کا دماغ کہیں خلاؤں میں تھا۔ دفعتاً اس کا موبائل تھرتھرایا۔ زید نے گہری سانس لیتے ہوئے موبائل کان سے لگایا۔

"کون ؟۔۔۔۔اوکے کمرے میں بھیج دو۔" بے زاری سے کہہ کر موبائل پرے ڈال دیا۔ سر دوبارہ ہاتھوں میں گرالیا۔ اسے امید تھی نوارد اس کی اس حالت پر باتیں نہیں بنائے گا، کم از کم آنے والا اسے سمجھے گا۔

کچھ دیر بعد دروازے پر ہلکی سی آہٹ ہوئی، پھر دروازہ کھلا۔ اندر آنے والی مدیحہ تھی۔ زید نے ریموٹ اٹھا کر ایک بٹن دباتے ہوئے کمرہ روشن کیا تو وہ آس پاس دیکھتی آگے چلی آئی۔ کچھ روز قبل کی شوخی مفقود تھی۔ آج اس کے چہرے پر سنجیدگی تھی۔ جینز اور ٹی شرٹ میں ملبوس لڑکی اچھی دکھتی تھی اگر وہ اپنے بال لمبے رکھ لیتی تو شاید خوبصورت بھی لگتی۔

"تم باس کی کالز نہیں اٹھا رہے۔" وہ محتاط انداز میں کہتی آگے آئی۔ سیاہ آنکھوں میں کچھ

تھا۔ پلنگ کی چادر بے ترتیب تھی۔ الماری سے کپڑے نکل کر فرش پر گرے ہوئے تھے۔ باتھ روم کے جوتے کمرے کے وسط میں پڑے تھے شاید وہ بے دھیانی میں جوتے یہاں تک لے آیا تھا۔ "باس کو بات کرنی ہے، زید۔" پرس میز پر رکھتے ہوئے اس نے زید کا چہرہ غور سے دیکھتے ہوئے کہا جہاں مُردنی تھی۔

"گالیاں دینی ہوں گی یا پھر مجھے یہ بتانا چاہتا ہو گا کہ میں تمکنت بنگش کا بیٹا اس کی خواری والی نوکری کے لائق نہیں تھا اور میرے بارے میں اس کا ہر اندازہ درست تھا کہ مجھ جیسے امیر لڑکے ایسے ہی ہوتے ہیں۔"

"تم ہر وقت اتنا منفی کیوں سوچتے ہو؟" مدیحہ آگے آئی۔ کمفرٹر ایک طرف کیا اور شاہ زید کے قریب آ کر بیٹھی۔ "ہم اس سے نکل آئیں گے فکر کیوں کر رہے ہو؟"

زید کے گلے میں گلٹی ابھر کر معدوم ہوئی۔ دل جیسے زخم زخم ہوا۔ "ہم کیوں کسی سیریل کلر کے ٹراما کا شکار بنیں؟ کیوں کسی کے ذہنی عارضے ہمارے دشمن بن جائیں۔ میرے بھائی نے اس مقام کے لیے کتنی محنت کی ہے کوئی جانتا ہے؟ وہ کلر جانتا ہے کہ میرا بھائی کتنی راتیں جاگا ہے کتنا خوار ہوا ہے، کیا وہ یہ جانتا ہے کہ مجھے اس سے

کتنی محبت ہے؟ کیا وہ یہ جانتا ہے کہ میں ویر کے بغیر نہیں رہ سکتا؟" اس نے بے دردی سے آنکھیں رگڑ کر صاف کیں۔ وہ بے حد آزردہ لگتا تھا۔

"فکر نہ کرو کوئی نہ کوئی راستہ تو ہو گا ناں۔" مدیحہ نے تسلی دی۔

زید نے محض سر ہلا دیا۔ مدیحہ کے موبائل پر باس کی کال آنے لگی تو اس نے سوالیہ نگاہوں سے زید کو دیکھا۔ جو چہرے پر ہاتھ پھیر تا اپنا چہرہ معتدل کر چکا تھا۔ تھوڑی دیر بعد کھڑکیوں کے پردے ہٹے ہوئے تھے۔ زید سنجیدگی سے سکرین پر نظر آتے آدمی کو دیکھ رہا تھا جو کافی دیر سے زید کی ٹھنڈی، میٹھی بے عزتی کر رہا تھا۔ ڈھیٹ تو وہ تھا جو بغیر کسی تاثر کے سن رہا تھا، سر بھی ہلا رہا تھا۔ صدقے۔

"ایک رپورٹ بنانے کو کہا تھا تم سے اور تم کیا کرتے پھر رہے ہو؟ نہ تم کوئی اپ ڈیٹ دیتے ہو نہ آفس آتے ہو معذرت لیکن شاید تمھیں لگتا ہے یہ دفتر تمہارا ہے اور ہم تمھارے ملازم۔" بالوں سے خالی سر اور بڑھے ہوئے پیٹ والا باس سخت خفا تھا۔ "تمھارے پاس دو دن ہیں زید یا تو رپورٹ جمع کرواؤ یا پھر استعفیٰ۔ میرے پاس کام آنا چاہیے تم۔۔۔۔۔۔"

"باس مجھے ایک فیور چاہیے۔"

مدیحہ نے تاسف سے نفی میں سر ہلایا اور باس جیسے آگ بگولہ ہوئے۔ "تمھیں لگتا ہے اس وقت تم کسی فیور مانگنے پوزیشن میں ہو؟"

"پوزیشن خراب ہے اسی لیے فیور مانگ رہا ہوں۔" وہ اسی ڈھٹائی سے بولا۔ "مجھے کچھ

معلومات چاہئیں۔" سکرین کے پار باس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا۔

"تمہیں جو ائن کیے ہوئے ایک سال ہوا ہے اور تم نے اس ایک سال میں بغیر کارکردگی دکھائے اس نوکری کو کئی بار اپنے فائدے کے لیے استعمال کیا ہے اور۔۔۔۔۔"

"بس ایک بار اور کرنا چاہتا ہوں۔" اعتماد اس پر ختم تھا۔ یا شاید ڈھٹائی۔ "اس سال کا آخری فیور۔"

"کہیئے جناب۔" انہوں نے دانتوں پر دانت جما لیے۔ "اب کیا چاہیے بادشاہ سلامت کو؟"

"کچھ عرصہ پہلے آپ کو ایک رپورٹ ملی تھی۔ کوئی ایجنٹ ہے جو پریولج کلر کو پکڑنا چاہتا ہے اور۔۔۔۔۔۔"

"ایک منٹ یہ بات تم تک کس نے پہنچائی؟" باس نے غراتے ہوئے اس کی بات کاٹی۔ مدیحہ نے مسکراہٹ دبائی۔ دراصل قصہ کچھ یوں تھا کہ باس یعنی ارمغان صاحب کے پاس پریولج کلر کے متعلق کچھ معلومات تھیں اور ایک نجی جاسوس کو یہ تمام معلومات چاہیے تھیں، جناب نے معلومات دینے سے انکار کیا تو مجبوراً ایجنٹ صاحب کو ارمغان کے چہرے کے نقشے بگاڑنے پڑے (مگر یہ بات تو صرف پرانا عملہ جانتا تھا۔ سارے کے سارے دغاباز۔ لعنت ہو)

"آپ کو میری صلاحیتوں پر شک ہے لیکن میں تو خود کو ایک بہترین تفتیش کار سمجھتا ہوں اس

لیے۔۔۔۔۔ خیر چھوڑیں باس۔ مدعے پر آتے ہیں مجھے اس ایجنٹ کی معلومات چاہئیں۔"

"کیوں چاہئیں؟"

"اٹس پرسنل۔" بازو سینے پر باندھے بے حد سنجیدگی سے دو لفظ کہے۔

ارمغان دوسری طرف کئی لمحے خاموش رہے۔ پھر انہوں نے ایک شرط رکھی۔ "اگر تم دو دن کے اندر مجھے اس ڈاکے کی تمام تفصیل دے دو تو میں تمھیں ایجنٹ کی معلومات دے سکتا ہوں۔" کاروبار تھا تو وہی سہی۔

"اوکے باس ہو جائے گا۔۔۔۔" اس نے کہہ کر جلدی سے کال کاٹ دی۔ مدیحہ اسے دیکھتی رہی۔ وہ اب اٹھ کر پھرتی سے الماری سے اپنے سامان نکال رہا تھا۔ پھر اپنے کپڑے دیکھے، کچھ خاص نہیں تھے اور اب وہ رک گیا۔ مڑ کر مدیحہ کو دیکھا جو اس کے پلنگ پر بیٹھی تھی۔ کتنے ہی لمحے وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ وہ یہاں اس طرح بیٹھی کتنی اچھی لگ رہی تھی یہ زید کو پہلی بار اندازہ ہوا۔ اسے دیکھتے ہوئے اس نے بہت سہولت

سے پوچھا۔ ”ساتھ آنا ہے؟“

”پیش کش ہے یا سوال؟“

”التجا!“ وہ ہلکا سا مسکرایا۔ ”تمھارے بغیر بور ہو جاؤں گا۔“

مدیحہ کا چہرہ بتا رہا تھا وہ انکار نہیں کر سکتی۔ اس نے کبھی زید کو انکار نہیں کیا تھا۔

★★★★★★★

”اسلان جلدی کرو سہراب (sohrab) گاڑی چھوڑ کر گیا ہے ہمیں تھوڑی دیر تک چلنا چاہیے۔“ باورچی خانے سے نکلتے یافث (yafis) نے جلدی سے کہا۔ ساتھ ساتھ وہ اسلان کے ناشتے کی طشت میں سامان رکھ رہا تھا۔ اسلان آج اس کے اپارٹمنٹ پر موجود تھا۔ ”آملیٹ میں سبز مرچ ڈال دوں یا ہاف فرائیڈ چاہیے؟“

لاؤنج میں صوفے پر پیر پسارے اسلان نے جماہی روکی۔ کتاب بند کر کے سینے پر رکھی۔ بکھرے سے حلیے میں وہ سست سا دکھائی دے رہا تھا۔ ”ہاف فرائیڈ انڈا اور بل والے پراٹھے جلدی کرو بھوک لگی ہے۔“ وہ یافث کے سامنے کوئی چھوٹا بچہ بن جایا کرتا تھا۔ ”ماموں یار چائے گندی بنی تھی آپ مجھے کافی بنا دو۔“

باورچی خانے کے اندر کھڑے یافث نے سر جھٹکا۔ ”سہراب غصہ ہو جائے گا ہم لیٹ ہو چکے ہیں۔“

”سہراب کہیں کا ولی عہد ہے جو میں اس کے غصے کی پرواہ کروں؟“ اسلان حسب توقع بگڑا۔

پراٹھوں کے لیے آٹا نکالتے ہوئے یافث تھم گیا۔ اسلان واقعی بدتمیز ہوتا جا رہا تھا اور یہ بات

یافث اور سہراب کے درمیان جھگڑے سے زیادہ بڑی تھی۔ وہ چولہا بند کرتے ہوئے باہر آیا۔ میز پر پڑی گاڑی کی چابی اٹھا کر اسلان کے سینے پر اچھالی۔ وہ بدمزہ ہو کر سیدھا ہوا۔

”باہر سے ناشتہ کر لینا مجھے ضروری کام سے جانا ہے۔ عالمگیر کو لینے بھی تم اکیلے جاؤ گے۔“ اس کا انداز روکھا اور بے لچک تھا۔

اسلان کا چہرہ لمحے بھر میں سرخ ہوا۔ "یہ ڈرامے آپ کسی اور کے ساتھ کرنا کوئی کام نہیں ہے آپ کو صاف صاف کہو سہراب سے ڈر رہے ہو۔"

یافث اپنے ہاتھ صاف کرتا آگے آیا۔ ٹھنڈی پر سکون نظروں سے اسے دیکھا۔ "اپنی زبان کو لگام دینا سیکھو، اسلان۔ مرد بنو مرد۔ عورتوں کی طرح طعنے دے کر اور لڑ جھگڑ کر کیا ثابت کرنا چاہ رہے ہو؟"

"آپ خود کو مرد سمجھتے ہو؟ واقعی۔۔۔۔۔ اگر ایسا ہی ہے تو سہراب سے ڈر کیوں رہے ہو؟" وہ جواباً بلند آواز میں بولا۔ چہرے پر غصہ اب بھی تھا۔

"میں کسی سے ڈرتا نہیں ہوں۔ میں صرف اور صرف عالمگیر کی واپسی کے دن کو خراب نہیں کرنا چاہتا اور تم ابھی کے ابھی یہاں سے نکلو، عالم کو لے کر لعل یمن پہنچو ورنہ۔۔۔۔۔۔۔"

اسلان اپنی جگہ سے اٹھا۔ وہی تندہی، وہی سختی، وہی تنفر۔ "ورنہ مجھے ایک بار پھر شبہ ہونے

لگے کہ آپ مرد ہو یا عورت؟" حد درجہ بد تمیزی سے کہتے ہوئے وہ چابی اٹھائے باہر نکل گیا۔ یافث مٹھیاں بھینچ کر ضبط کرتا رہ گیا۔ وہ اگر یافث سے اس قدر بد تمیزی کر سکتا ہے تو سہراب کے سامنے کیا کرتا ہو گا؟ یافث بس سوچ سکا۔

باہر آ کر اس نے گاڑی پارکنگ سے نکالی اور اسی سرخ چہرے کے ساتھ سینٹرل جیل کی جگہ اسے اپنی مرضی کی منزل کی طرف موڑا۔ نہیں کرنی اسے کسی کی چاکری، نہ ہی وہ ان میں سے کسی کا غلام تھا۔ اس کے گھر والے اس پر جو حکم چلائیں وہ مان لے گا کیا؟۔ وہ کتنی ہی دیر سڑکوں پر بے مقصد گاڑی دوڑاتا رہا اسے اندازہ نہیں رہا۔ رفتار جان بوجھ کر تیز رکھی تاکہ ٹائرز گھستے رہیں، ذہن کے دریچوں پر بار بار کوئی منظر دستک دے رہا تھا جسے وہ جتنا چاہے نظر انداز کرتا منظر کسی زنجیر کی طرح اس کے جسم اور روح سے چمٹتا ہی چلا جاتا۔ بالآخر اسلان یمن نے خود کو اس منظر کے حوالے کر دیا، اسے ہر دفعہ ایسا کرنا پڑتا تھا۔

وہ کوئی بہار کی شام تھی۔ جب اسلان یمن پنار سکندر سے پہلی بار، روبرو متعارف ہوا تھا۔

کھلی فضاوالے ریستوران کے احاطے میں اسلان اور اس کے کئی دوست جمع تھے۔سیاہ سفید پٹیوں والی فلینل شرٹ کے ساتھ سفید پینٹ والا اسلان سربراہی کرسی کے ساتھ والی نشست پر بیٹھا تھا۔ایک ہاتھ سے کانٹا تھامے دوسرا ہاتھ ہلاتے ہوئے وہ مسکراتے ہوئے کوئی قصہ سنا رہا تھا جب سامنے سے اسے کوئی آتا دکھائی دیا۔ہر دفعہ کی طرح اسے دیکھ کر وہ بولتے بولتے رک گیا،کانٹا واپس پلیٹ میں رکھا بال درست کیے اور ایک بار پھر چور نگاہوں سے سامنے دیکھا۔

سفید رنگ کے لمبے،سیاہ سفید پٹیوں والے ٹاپ کے ساتھ جینز پہنے وہ چھوٹے کھلے بالوں کو ہاتھ سے کان کے پیچھے اڑستی ہوئی اسی طرف آرہی تھی۔ٹک ٹاک کی مشہور ترین شخصیت،مناسب قد اور خوبصورت نقوش والی پنار سکندر۔اسلان نے اسے کئی دفعہ اپنے امیر دوستوں کی دعوت میں دیکھا تھا آج وہ پہلی دفعہ اس کے ساتھ والی کرسی پر آکر بیٹھی۔اس کی تیز خوشبو۔۔۔۔آہ اسلان بے اختیار گردن پھیر کر کسی دوست سے بات کرنے لگا۔اس کے کانوں کی لوئیں تک سرخ ہوئی تھیں۔

"یہ کھانا تمھارے اعزاز میں ہے تو تمھیں سربراہی کرسی پر بیٹھنا چاہیے تھا۔"شیشے کے بڑے برتن سے پاستا اپنی پلیٹ میں منتقل کرتے پنار نے بڑے ہی اعتماد کے ساتھ اسے براہ راست مخاطب کیا۔اسلان کتنی ہی دیر بالکل تھم گیا۔

"تم وہاں کیوں نہیں بیٹھے؟"اس نے دوبارہ مخاطب کیا۔

"میں یہیں ٹھیک ہوں۔"وہ اس کی طرف دیکھے بغیر پلیٹ پر جھک گیا۔اتنی سی بات تھی اور وہ ابھی سے سرخ پڑ رہا تھا۔

"تمھیں لائم لائٹ نہیں پسند،اسلان؟"اپنی کرسی کا رخ اس کی طرف موڑتے ایک کہنی میز پر جمائے،ایک ہاتھ میں پلیٹ اٹھائے وہ بڑی دلچسپی سے اسے دیکھ رہی تھی۔اسلان کے حلق میں بہت کچھ اٹکنے لگا۔ٹک ٹاک کرش،دوستوں کی دعوتوں میں لگنے والا سب سے حسین چہرہ یہاں تک سب درست تھا مگر وہ یوں اس طرح اس کے پاس بیٹھ کر اس کا نام لے گی تو معاملہ اسلان یمن کے اختیار سے باہر نکل جائے گا۔

"نہیں مجھے لائم لائٹ کچھ خاص پسند نہیں۔" بمشکل کہتے ہوئے اس نے پانی کا گلاس اٹھایا اور غٹاغٹ سارا پانی حلق میں اتارا۔ برقی قمقموں کی روشنی میں اس کا چہرہ روشن تھا۔ آس پاس چہل پہل اور برتنوں کی آوازیں تھیں۔

"اچھا۔۔۔۔۔۔" وہ جیسے محظوظ ہوئی۔ "صرف لائم لائٹ نہیں پسند یا لائم لائٹ میں رہنے والے لوگ بھی؟" اسلان کے چہرے پر چوری پکڑے جانا کا تاثر آیا۔

"اگر تمھیں واقعی لائم لائٹ نہیں پسند تو میر سے کہہ کر مجھے انوائٹ کیوں کروایا؟"

اسلان نے بے اختیار چہرہ پھیر کر اسے دیکھا۔ گہری بھوری آنکھوں کا، سنہری آنکھوں سے پہلا تصادم ہوا۔ اس کی ناک میں چمکتا ننھا ہیرا، بیوٹی بون کو چھوتے ریشمی سیاہ بال اور گول مٹول سا چہرہ اسلان چاہ کر بھی نگاہ نہیں پھیر سکا۔ برقی قمقموں کی روشنی تلے، موم بتیوں کی ٹمٹماہٹ اور اشتہا انگیز خوشبوؤں کے درمیان وہ دونوں یک ٹک ایک دوسرے کو دیکھ رہے

تھے۔ اسلان دیکھنے کا عادی، مگر مقابل کی نظر کرم سے غیر آشنا۔

"دراصل میں نے بورڈ میں ٹاپ کیا ہے اور۔۔۔۔۔۔"

"اور تمھارے دوستوں نے تمھیں یہاں ایک اعزازی ڈنر پیش کیا۔ چونکہ میں تمھارے میزبان کی خاص دوست ہوں اس لیے تم نے اس سے درخواست کی کہ وہ مجھے یہاں بلالے۔ میں جاننا چاہتی ہوں کیوں؟" اس نے کہنی میز سے ہٹالی اور اب اسی ہاتھ سے وہ پلیٹ میں نکالا ہوا پاستا چن رہی تھی۔ رخ مکمل اسلان کی جانب تھا۔ نظریں گہری۔

اسلان نے گلا کھنکھارا۔ "میں چاہتا تھا آپ بھی آئیں۔" اس نے مدھم انداز میں کہا۔

"کیوں؟" سوال جوں کا توں۔ اسلان نے مدد طلب نظروں سے آس پاس کرسیوں پر بیٹھے اپنے دوستوں کو دیکھا۔ سب باتوں میں مصروف تھے یا شاید مصروف دکھ رہے تھے۔ وہ اندازہ نہیں کر سکا۔ بورڈ میں اول آنا اگر مشکل تھا تو یہ امر ناممکن۔

"مجھے لائم لائٹ نہیں پسند اس لیے میں نے سوچا اس کا رخ کسی اور طرف پلٹ دوں۔"

پنار مدھم سا ہنسی۔ ایسے جسے محظوظ ہوئی ہو۔ اسلان کی سماعتوں میں یہ ہنسی ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو گئی۔ "مجھے لائم لائٹ بہت پسند ہے دیکھو میں آ گئی۔"

اسلان کا دل تیز تیز دھڑک رہا تھا۔ اندر سے بے تحاشا گھبراہٹ بھی ہو رہی تھی مگر وہ اس

وقت اگر کسی عمل سے ناگریز ہو سکتا تھا تو وہ پنار سکندر کو ناراض کرنا ہوتا۔ وہ اسی بااعتماد انداز میں اس سے بات کرتی رہی۔ اسلان بعض دفعہ جھینپ جاتا، کبھی دائیں بائیں دیکھتا اور کبھی وہ پنار کی ناک میں دمکتے اس ہیرے کو دیکھنے لگتا۔ کوئی چمک کوئی موتی اگر کسی درست جگہ پر تھا تو وہ یہی تھا۔

"آپ کو میرا نام کیسے یاد رہا؟" کافی دیر بعد کافی کا مگ ہاتھ میں لیے اس نے پوچھا۔

"مجھے تمہاری ذہانت یاد رہی۔" اس نے جوس کا گلاس اسلان کے کپ سے ٹکرایا۔ اسلان کو یوں لگا جیسے کسی نے ذرا سا زور لگا کر اس کے دل کی گرد بنی باڑ گرا دی ہو۔ "ایک اور بات جن تقریبات میں تم مجھے دیکھتے رہتے تھے وہاں میں آنکھیں گھر چھوڑ کر نہیں جایا کرتی تھی۔" ٹوٹی گری ہوئی باڑ سے وہ اندر داخل ہو چکی تھی۔ "تم اگر چاہتے تو مجھے خود بھی بلا سکتے تھے میر کو شامل کرنے کی کیا ضرورت تھی؟" باڑ دوبارہ بن گئی۔ دل کا مکین دل میں رہا اور باہر سے اب ہر متعلقہ اور غیر متعلقہ شخص کے لیے داخلہ ممنوع ہو گیا۔

"میرے پاس آپ کا نمبر نہیں تھا۔" توجیہہ۔

"ہاں کیونکہ تم نے کبھی مانگا نہیں تھا۔"

"آپ مانگنے پر نمبر دے دیتیں؟" اس نے نگاہیں جھکا لیں اور اپنے گلاس کو دیکھنے لگا۔

پنار (pinar) نے ایک لمبا گھونٹ بھرا اور اپنی جگہ سے اٹھی۔ "اسلان یمن مانگتا تو دے دیتی۔"

اسلان نے نگاہیں اٹھائیں اور کتنے ہی لمحے وہ بس اسے دیکھتا رہ گیا۔ اس نے ہمیشہ اس لمحے کو ذہن میں سوچا تھا کہ

کبھی تو وہ ٹھہر کر اس سے بات کرے گی، اس کا نام لے گی، اس کی بات کرے گی یا تو یہ لمحہ معجزاتی تھا یا پھر اسلان یمن آج قسمت اپنے ہاتھوں سے لکھ کر آیا تھا۔ جو بھی تھا وہ چاہتا تھا یہ لمحات یہیں قید ہو جائیں۔

اس نے میز پر پڑا موبائل اٹھایا، قفل ہٹایا اور پنار کی طرف بڑھایا۔

"پلیز!"

"پلیز وہاٹ؟" وہ امتحان لینے پر ہی تُل گئی تھی۔

اسلان نے خشک ہوتے لبوں پر زبان پھیری۔ پھر بڑی ہمت کر کے اسے تکا۔ نظر کا یہ ملنا اسے گھائل کر رہا تھا ۔"مس پنار سکندر کیا مجھے آپ کا رابطہ نمبر مل سکتا ہے؟"

یکدم تیز میوزک بجنا شروع ہوا، روشنیاں مزید تیز ہو گئیں۔ سیاہ سفید لباس والی لڑکی اپنے سفید نیل پالش لگے انگوٹھوں سے اسلان کے موبائل پر اپنا نمبر لکھ رہی تھی۔ پھر نام لکھنے لگی مگر کچھ سوچ کر رک گئی اور موبائل اسلان کی طرف بڑھایا۔ اسلان نے نمبر کو دیکھا، بجلی کی سی تیزی سے وہ نمبر نہ جانے کیوں یاد کیا پھر پنار کو دیکھا۔

"آپ نے نام نہیں لکھا؟"

"مجھے کیا پتا تم مجھے کس نام سے یاد رکھتے ہو؟" دلکش مسکراہٹ سے کہتی وہ ایک آخری نظر اس پر ڈالتی، اپنا گلاس اونچا کرتی وہاں سے ہٹ کر اس طرف چلی گئی جہاں میوزک کی تال پر کچھ دوست رقص کر رہے تھے۔ اسلان کتنی ہی دیر اس کی پشت کو دیکھتا رہا۔ پھر اس نے سکرین کو دیکھا، وہ ہلکا سا مسکرایا بھی اور اب اس کی انگلیاں کچھ لکھ رہی تھیں۔ ہندسوں کے اوپر نام کی جگہ پر۔۔۔۔۔۔

"لائم لائٹ!" اس نے بس یہی لکھا۔

لاہور سینٹرل جیل کے باہر اِکا دُکا گاڑیاں کھڑی تھیں جن میں سے ایک سہراب یمن کی کلٹس بھی تھی۔ جس کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑا اسلان بے زاری اور اکتاہٹ سے آس پاس دیکھ رہا تھا۔ ہاتھ میں ایک انگریزی کتاب

تھی، جس کے درمیان میں انگلی پھنسار کھی تھی تا کہ جو صفحہ وہ پڑھ رہا ہے اس پر نشانی رہے۔ دفعتاً وہ چونکا کسی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔ اسلان چونک کر مڑا تو عالمگیر اس کے ساتھ کھڑا تھا۔ وہ تو ساکت ہی رہ گیا۔ لب کھل گئے۔

"اتنی غور سے کیا دیکھ رہے تھے؟ اندر تمہاری کوئی محبوبہ ہے کیا؟"

اسلان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ "خیر اب تمہاری محبوبہ یہاں سے آنے سے تو رہی۔۔۔۔۔" کوئی اور موقعہ ہوتا تو اسلان بھی اپنی زبان کے جوہر دکھاتا مگر یہ الگ وقت تھا۔ "چلیں؟"

اسلان ہڑبڑا کر سیدھا ہوا۔ "آپ کو تو اندر سے آنا تھا نہیں؟"

"جس کے خاندان والے تمھارے اور سہر اب جیسے ہوں وہ کسی قسم کے ویلکم کی امید نہیں رکھتے۔" بے زاری سے کہا پھر آس پاس دیکھا۔ "اسکار کہاں ہے؟"

"آنے والا ہے، کال کر گیا ہے کہ یہیں انتظار کروں۔"

"ٹھیک ہے یہیں نزدیک چلو کہیں بیٹھ کر چائے پیتے ہیں۔" اسلان سر ہلا کر رہ گیا۔ وہ اب تک اس کی موجودگی سے حیران تھا۔

★★★★★★★★★★

سفید ڈریس شرٹ کے ساتھ گہرے نیلے کوٹ اور پینٹ والا شاہ ویر گلے سے ٹائی نوچ کر اتار رہا تھا۔ پلنگ پر ایک طرف لیپ ٹاپ رکھا تھا جس پر آراہ کا چہرہ نظر آرہا تھا۔ وہ باورچی خانے میں کھڑی آٹا گوندھ رہی تھی اور وہ خود ابھی ابھی کسی تقریب سے واپس آرہا تھا۔ چہرے کی رنگت میں سرخیاں گھل رہی تھیں۔

"جب بھی کال کرتا ہوں تم ہوتی کدھر ہو، آراہ صاحبہ؟" وہ بگڑ کر اس کے نک نیم کے ساتھ صاحبہ لگا رہا تھا۔ "جب سے تم نے یہ جاب شروع کی ہے سارا مسئلہ تب شروع ہوا ہے۔ اب تمھارے پاس میرے لیے وقت

نہیں ہوتا۔"

trauma dumping "چھوڑ کر مدعے پر آؤ۔" اس نے اشارہ کیا تو ہانیہ اس کے قریب آ کر رکی اور اس کے چہرے پر آتے بال پیچھے کیے۔ اب چونکہ وہ سکرین میں نظر آ گئی تھی تو لگے ہاتھوں ہونے والے بہنوئی کو سلام کر دیا۔

"ہائے، کیسے ہو شاہ ویر؟"

ایک تو آراہ کے رویے کی بے زاری اور دوسرا ہانیہ کی اس وقت یہاں موجودگی شاہ ویر نے مسکرانے کا تکلف بھی نہیں کیا۔ تاثرات تنے رہے۔ "ٹھیک۔" بھاڑ میں گئی مروت، جہنم میں گیا وقار۔

"اور کام کیسا چل رہا ہے پاکستان کب آ رہے ہو؟" ہانیہ نے ہمت نہ ہاری۔ ہاں البتہ عقب میں کھڑی انارا طارون کے غصے کا گراف آسمان سے باتیں کرنے لگا تھا۔ کیا مطلب اب وہ اس کی بہترین دوست کو نظر انداز کرے گا؟

"جب آؤں گا تو آدھے پاکستان کو پتا چلے گا۔ آراہ سے بات کرواؤ کام ہے مجھے اور ہمیں تھوڑی

پرائیویسی چاہیے۔"

ہانیہ پھیکی پڑتی رنگت کے ساتھ سکرین سے ہٹ گئی۔ انارا سکرین کے سامنے آئی۔ شاہ ویر کے تنے ہوئے چہرے کو دیکھا اور بغیر ہاتھ دھوئے لیپ ٹاپ دونوں ہاتھوں میں لیے باورچی خانے سے باہر نکل کر کمرے میں آئی۔ "مسئلہ کیا ہے تمہارا؟ یہ سارے نخرے کس کو دکھا رہے ہو؟ اور ہانیہ کے ساتھ کس طرح بات کر رہے تھے تم؟" وہ بلند آواز میں بولی۔

"تمہارا مسئلہ کیا ہے جب ایک بار کہہ دیا ہے۔ ضارم سے بات نہیں کرنی تو وہ کیوں میسج کرتا ہے تمھیں؟" جواباً شاہ ویر بھی اسی سختی سے بولا۔ "تم نے اس سے گن منگوائی ہے تمھارے ذہن میں بیٹھ رہا ہے یہ کتنی بڑی بات ہے؟" بالآخر بلی تھیلے سے باہر آ گئی تھی۔

رات کے دو بجے کے بعد انارا کے اندر کوئی اور عورت داخل ہو جاتی تھی۔ جو عقل ایک طرف رکھ کر کبھی کسی دوست کی تھیراپی کر رہی ہوتی، کبھی خوامخواہ رونے لگتی اور کبھی اپنے راز بتا دیتی پھر اگلے دن دوبارہ اس پر روتی۔ کل رات شاہ ویر سے بات کرتے ہوئے اس نے بتا دیا کہ اس نے ہانیہ سے ایک گن منگوائی تھی اور ہانیہ نے وہی کام ضارم خان سے کروایا۔ رات کے وقت تو خیر شاہ ویر چپ رہا (بول پڑتا تو پوری بات کہاں سن پاتا؟) مگر آتش فشاں اب پھٹ رہا تھا۔

آراہ پر مانو اوس پڑ گئی۔ "میں نے۔۔۔۔۔۔" وہ رکی۔ "تمھیں یہ سب کس نے بتایا؟" میں

نے بتایا کیونکہ مجھے گلٹ ہو رہا تھا میں تم سے کچھ بھی چھپانا نہیں چاہتی۔ میں نے وہ گن ہانیہ کے چچا سے منگوائی تھی اور تم اچھی طرح جانتے ہو اس کے چچا کس قسم کے آدمی ہیں ان کے لیے یہ سب روز مرہ کا کام ہے۔ دوسری بات ان سے یہ گن میں نے نہیں۔۔۔۔ ہانیہ نے منگوائی تھی۔ اب مجھے کیا پتا تھا کہ ہانیہ یہ کام ضارم سے کروائے گی؟"

"تمھیں لگتا ہے میرے ماتھے پر گدھا لکھا ہے؟" وہ غرایا۔ آراہ بے اختیار سہمی۔ "اس کا چچا اس کا ماموں تمہارا دماغ خراب ہے یا میرا دماغ خراب کرنا چاہتی ہو؟ عمر دیکھو اپنی، خاندان دیکھو اپنا تم ایک جیولری آرٹسٹ ہو، گنز سے تمہارا تعلق کیا ہے؟" وہ ہنوز بلند آواز میں پوچھ رہا تھا۔ آراہ نے اس کو اس قدر غصے میں نہیں دیکھا تھا۔

"مجھے یقین نہیں آ رہا تم میرے پیٹھ پیچھے کیا کرتی پھر رہی ہو۔" کوٹ اتار کر وہ فرش پر پھینک چکا تھا۔ "اگر تمھیں کچھ بھی چاہیے تو تمھیں مجھ سے کہنا چاہیے گنز یا بم جو بھی ہے، میں لا کر دوں گا وہ ضارم، وہ آدمی میری ہونے والی بیوی کے لیے یہ سب کیوں کرے گا؟"

"یہ تو میں طے کروں گی کہ میں تمہاری بیوی بنانا چاہتی ہوں یا نہیں۔" وہ چیخ کر بولی۔

"دو سال میں تم یہ فیصلہ بھی نہیں کر سکیں؟" شاہ ویر کے ابرو طنزیہ انداز میں اکھٹے ہوئے۔

"فیصلہ کر لیا تھا اب لگتا ہے غلط کر لیا۔" وہ بمشکل رونے پر قابو پائے ہوئے تھی۔ "میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی تم مجھ سے ایسے بات کرو گے۔" شاہ ویر نے بے اختیار ماتھا مسلا۔ اپنے لہجے کی سختی کا احساس ہوا تو وہ اگلے ہی منٹ نرم

پڑا۔

"آئی ایم سوری میں بس غصے میں تھا اور۔۔۔۔۔۔" وہ کہنا چاہتا تھا کہ کوئی اسے قتل کرنا چاہتا ہے، اس کا اپنا بہنوئی ایک دھوکے باز ہے، اس کا کیریئر اور ساکھ صرف ایک انکار کی وجہ سے خراب ہونے کو ہیں مگر وہ رونے لگی تھی شاہ ویر کی ہر تاویل، ہر عذر، ہر رنجش جیسے دم توڑ گئی۔ اب وہ اگر قاتلہ بھی ہے تو شاہ ویر اندھا قانون بننے کو تیار۔ "آئی ایم سو سوری مجھ سے غلطی ہو گئی مجھے ایسا نہیں کہنا چاہیے تھا۔ آئی ایم سوری۔ آراہ ادھر دیکھو یار۔۔۔۔۔۔"

"مجھے یہ رعب نہیں پسند دوبارہ مجھ سے ایسی بات مت کرنا میں چاہے گنز منگواؤں، چاہے لوگ قتل کروں، میری بھی ایک زندگی ہے تم اس میں دخل نہیں دے سکتے۔"

"اب تم غلط بات کر رہی ہو۔ غیر قانونی غیر لائسنس شدہ اسلحہ کون سی لڑکی رکھتی ہے؟ تمہارا دماغ واقعی خراب ہو رہا ہے سوری بٹ نو سوری مجھے لگتا ہے ہمیں اس معاملے میں کھل کر بات کرنی چاہیے۔ تم ضارم پر اتنا یقین کیسے کر سکتی ہو کہ اس سے غیر قانونی گنز لینے لگو؟"

آراہ کو اپنی بے وقوفی کا احساس بخوبی ہو رہا تھا لیکن جھگڑے کے عین درمیان میں یہ مان لینا کہ وہ غلط ہے وہ ایسا کر دے تو تُف ہے اس کے پاکستانی لڑکی ہونے پر۔

"تم مجھ پر شک کر رہے ہو؟" یہ گیا مدعا دوسری طرف۔

"شک؟" اس نے ناگواری سے استہزائیہ انداز میں دہرایا۔ "یہاں شک کی کوئی گنجائش کہاں نکل رہی ہے ڈارلنگ۔ میں ثبوتوں کے ساتھ بات کر رہا ہوں۔ ضارم تمہارا لگتا کیا ہے؟ صرف ایک کولیگ اور تم اس سے اسلحہ لے رہی ہو؟"

"تم کیا لگتے ہو میرے؟ تم ہوتے کون ہو مجھ پر اس طرح کی پابندیاں لگانے والے۔"

"تمہارا مستقبل کا شوہر۔" اس نے چبا چبا کر کہا۔

"اچھا؟واقعی اسی لیے اب تک تمہاری ماں میرا رشتہ لینے نہیں آئی؟"

شاہ ویر نے ابرو اٹھائے ایسے جیسے کہہ رہا ہو واقعی؟اب ہم اس بات پر لڑیں گے؟"میری ماں نہیں آئی واہ یعنی تمھیں واقعی لگتا ہے تم اس طرح کے ڈرامے کر کے مجھے manipulate کرو گی؟"

آراہ نے ناگواری سے بھنویں بھینچ لیں۔(ایک تو لکھاری سے پالا نہ پڑے کمبخت انسان کو کتاب کی طرح پڑھتے ہیں۔اس پر تو کوئی داؤ پیچ ہی نہیں چل رہا)

"ٹھیک ہے میں بری ہر قصور میرا ہے تم تو بہت اچھے اور سچے ہو ناں؟مجھ سے بات کیوں کر رہے ہو پھر جاؤ کوئی اپنے جیسی ڈھونڈ لو۔"جب کوئی حربہ کام نہ آیا تو جذباتی دھمکیاں کام

آئیں۔"اللہ کرے میں ہی مر جاؤں۔"

"خبر دار جو تم نے کال کاٹی، آراہ میں۔۔۔۔۔۔۔"اس کی بات پوری ہونے سے قبل ہی کال کٹ چکی تھی۔شاہ ویر بنگش جیسے کھول کر رہ گیا۔اس کے سر میں درد کی ٹیسیں اٹھنے لگیں۔مٹھیاں بھینچے وہ ضبط کے کڑے مراحل سے گزرنے لگا۔

صبر شاہ ویر صبر۔

★★★★★★★★★

"تم سے ایک بات کہوں؟"

"میرے منع کرنے پر نہیں کہو گی؟"آتش دان کے اندر جلتی لکڑیوں کو لوہے کی سلاخ سے ترتیب دیتے ہوئے قصہ گو نے پوچھا۔

"یہ عورت تمکنت بنگش یہ صرف اداکاری تو نہیں کرتی ہو گی۔"

"وہ صرف اداکاری ہی کرتی ہے۔"قصہ گو نے اپنی بات پر زور دیا۔"وہ بس ایک اداکارہ ہے۔"

"تمھیں وہ اتنی نیک کیوں لگتی ہے؟" قاری سلگ اٹھی۔

مرد نے یکدم پلٹ کر اسے تکا۔ آنکھوں میں زمانے بھر کی سادگی تھی۔ "میں نے کب کہا وہ نیک تھی؟"

"ابھی تم نے کہا کہ وہ صرف اداکاری کرتی ہے۔"

"بالکل وہ صرف اداکاری کرتی ہے سیٹ پر بھی۔۔۔۔۔" وہ لمحے بھر کو چپ ہوا۔ "بیک اسٹیج بھی۔ تمکنت بوڑھی ہو رہی تھی۔ اداکاری کے مواقع ختم ہونے لگے تب۔۔۔۔" اس کے دائیں گال پر آگ کی وجہ سے تپش سی ہونے لگی۔ "تب اس نے بیک اسٹیج اداکاری شروع کر دی۔ اس کا کردار ایک رہنما کا تھا۔"

"رہنما؟"

"عورتوں کے حقوق کی رہنما۔" قصہ گو نے اضافہ کیا۔

★★★★★★★★★

سفید حویلی لاہور کے خوبصورت ترین گھروں میں شمار ہوتی تھی۔ چمچماتا ہوا سفید رنگ جو دن کی روشنی میں آنکھوں کو چندھیا رہا تھا۔ ساری حویلی اسی ایک رنگ میں ڈوبی تھی۔ کہیں کہیں گہرا کتھئی رنگ بھی نمایاں تھا مگر سفید رنگ کی جاذبیت اس ایک رنگ کو دبا رہی تھی۔ تمکنت بنگش کی لمبی سرمئی گاڑی سفید حویلی کے گیٹ پر آکر رکی تو دربانوں نے دروازے کھول دیے۔ یہ دروازہ کسی کسی کے لیے ہی کھلتا تھا۔

روش پر آکر گاڑی رکی اور وہ باہر نکلی۔ ارغوانی رنگ کے ٹاپ اور فلیپر میں ملبوس اس نے اونچی ایڑھیوں والے جوتے پہن رکھے تھے۔ گلے میں ایک مالا اور کانوں میں ٹاپس تھے۔ بال نفیس جوڑے میں مقید تھے۔ چہرے پر ہلکا پھلکا میک اپ تھا۔ وہ آج بھی خوبصورت اور تازہ دم تھی۔

کچھ دیر بعد اسے مہمان خانے میں لا کر بٹھایا گیا۔ وہ یہاں آتی جاتی رہتی تھی اس گھر کا شاہانہ پن، آس پاس سے گزرتے ملازم، وہ بڑے بڑے گھروں کی گمبھیر خاموشی تمکنت ہر شے سے بے نیاز اپنے موبائل کی سکرین پر

انگلیاں چلا رہی تھی۔ جب اسے ایک مانوس آواز سنائی دی۔

"مجھے نہیں پتا تھا آج صبح صبح آپ کے درشن ہو جائیں گے۔" مسکراتا، کھنکتا لہجہ اور ایک مدھم مسحور کن سی خوشبو تمکنت کو اپنے آس پاس محسوس ہوئی تو اس نے چہرہ اٹھا کر سامنے دیکھا۔

"کبھی سوچا ہے آپ اتنی خوبصورت کیسے ہیں؟"

دروازے کے فریم میں وہ ایستادہ تھا وہ جو کہانی کا گمشدہ حصہ تھا۔ بتیس، تینتیس کے ہندسے کو پار کرتا ہوا "اسفند یار انصاری"۔ نوجوان نسل کا پسندیدہ رہنما، ہر کسی کا دلدادہ۔ دیوار پر لگے آرائشی آئینے میں اس کا عکس بن رہا تھا۔ لمبا قد، چوڑے کندھے، گندمی رنگت اور پرکشش آنکھیں۔ سرمئی شلوار سوٹ پر سیاہ ویسٹ کوٹ پہنے وہ کسی ملاقات کو تیار دکھائی دے رہا تھا۔

"مجھے بھی نہیں پتا تھا کہ صبح صبح مجھے اتنا حسین مرد دیکھنے کو ملے گا۔ بغیر کسی فلٹر کے۔"

وہ قدم قدم چلتے ہوئے آگے آیا اور اپنا سر اس کے سامنے ہلکا سا جھکایا۔ تمکنت نے اس کے بال ذرا سے بگاڑے پھر وہ سیدھا ہوا۔ مسکراہٹ ہونٹوں سے جدا ہی نہیں ہو رہی تھی۔ گال کا گڑھا بے حد واضح تھا۔

"نہ کریں پھر میں خوش ہو جاؤں گا یار۔"

"تم آلریڈی خوش لگ رہے ہو کیا ہوا ہے؟" وہ تمکنت کے ساتھ والے صوفے پر آ کر بیٹھا۔ ان دونوں کے درمیان گہری شناسائی لگتی تھی۔ کندھے جوڑ کر بیٹھے ہوئے وہ دوست معلوم ہو رہے تھے۔

"ہوا تو بہت کچھ ہے اور میں خوش نہیں ہوں، بہت پریشان ہوں۔" اسفند اب سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔ "آپ کو یاد ہے ناں کچھ دن پہلے کسی اینکر نے اماں سے پوچھا تھا کہ طلاق کا ریشو کیوں بڑھ رہا ہے۔ اماں کا جواب تو آپ کو یاد ہو گا؟"

"طلاق یافتہ عورتوں میں جن کی شرح زیادہ ہے وہ سب پڑھی لکھی عورتیں ہیں۔" بغیر کسی طنز کے تمکنت نے

ہو بہو اس کے الفاظ دہرائے۔ ”آپس کی بات ہے یہ جواب مجھے بھی بُرا لگا تھا۔“

اسفند نے گردن نفی میں ہلائی پھر ماتھا مسلا۔ ”اب ٹویٹر اور باقی سوشل میڈیا پر عجیب نفرت اور ہتک بازی شروع ہو گئی ہے۔ ہر کوئی اماں اور ان کی سیاست پر تبصرے کرتا ہوا نظر آرہا ہے۔ اچھا خاصا بیک لیش آیا ہے۔ عوام کو لگتا ہے کہ اماں عورتوں کی تعلیم کے خلاف ہیں۔ آج جلسہ بھی ہے سمجھ نہیں آرہا کیا کریں۔“

تمکنت نے اس کا کندھا تھپکا۔ ”یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے اسکینڈل کو اسکینڈل کے ساتھ دبایا جاتا ہے۔ تمہاری اماں نے اگر یہ بات کر دی ہے تو اب اسے واپس نہیں لیا جا سکتا۔ ہاں لیکن اسی پیمانے کا ایک اور معاملہ پیدا کیا جا سکتا ہے۔“

”مثلاً؟“

”اسفندیار خان کا کوئی معاشقہ۔“ تمکنت مسکرا کر بولی۔ اسفند بے ساختہ ہنس دیا۔ آنکھیں چمکیں۔ وہ محظوظ ہوا۔

”میں اس قسم کا آدمی نہیں ہوں۔“

”ہونے میں وقت کتنا لگتا ہے؟“

”مجھے معاف رکھیں۔“ اس نے باقاعدہ ہاتھ جوڑے۔ ”آپ یہ بتائیں کہ شاہ ویر آج کل کیا کر رہا ہے؟ مجھے کوئی بتا رہا تھا کہ وہ شادی وغیرہ کر رہا ہے۔ بے وفا ہو گئیں آپ ذکر ہی نہیں کیا۔“

تمکنت کی آنکھوں میں کچھ ابھرا۔ لب البتہ بہ دقت مسکراتے رہے۔ ”میں تمہاری طرح بے خبر رکھی گئی ہوں۔“ آواز میں نہ چاہتے ہوئے بھی کرچیاں تھیں۔

”ڈونٹ ٹیل می۔۔۔۔۔“ اسفند متحیر رہ گیا۔ ”اب کوئی علم ہوا یا اب تک آپ بھی میری طرح سن سنا رہی ہیں؟“

”کوئی مڈل کلاس لڑکی ہے جیولری آرٹسٹ۔ ماں باپ کی طلاق ہو گئی اور اب ماموں کے ساتھ رہتی ہے۔ مجھے شاہ ویر سے یہ امید نہیں تھی۔“

"مجھے بھی۔" وہ بری طرح متاسف ہوا۔ "میں اس سے بات کروں؟"

"کر سکتے ہو؟" وہ یکدم مشکور ہوئی۔

"آپ کے لیے کچھ بھی۔"

وہ دونوں ابھی اس بات پر مزید چر چا کرتے کہ سامنے سے آتی عورت کو دیکھ کر چپ ہو گئے۔ ہلکے آسمانی رنگ کے چکن کاری سوٹ کے ساتھ دوپٹہ کندھوں سے سر تک اوڑھے وہ باوقار سی چال چلتی ہوئی عورت تمکنت کی ہم عمر معلوم ہوتی تھی۔ چہرہ ہر قسم کی جھریوں اور بڑھتی عمر کے آثار سے پاک تھا۔ وہ روبینہ انصاری تھی، پچھلے انتخابات میں چند ووٹوں سے ہاری ہوئی، مگر اس دفعہ مکمل تیاری کے ساتھ ایک بار پھر سیاست کے میدان میں اترتی ہوئی۔

"میں آپ دونوں کی باتوں میں مخل تو نہیں ہوئی؟" مہمان خانے سے یکدم ساری چاشنی رخصت ہو گئی اور کچھ کڑوا سا اندر آ گیا۔ روبینہ کی آنکھوں میں ان دیکھا طنز تھا۔

"نہیں اماں ہم بس بات کر رہے تھے۔" اسفند کھڑا ہو گیا، اس کے ماتھے پر بل پڑ گئے تھے۔

"حالانکہ یہ کچھ کرنے کا وقت ہے۔" وہ بیٹھی نہیں۔ بس کھڑی رہی اور چبھتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔ "تمھیں باتوں سے فرصت کب ملے گی، اسفند؟"

"روبینہ آرام سے۔۔۔۔۔" تمکنت نے اسے ٹوکا۔ "کیا مسئلہ ہے ایسے چھوٹے چھوٹے مسائل ہوتے رہتے ہیں۔ ابھی اگر تم کسی ایک عمارت کو اسکول کے لیے وقف کر دو یا پھر چند پیسے بانٹ دو تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"تمھیں کیا لگتا ہے میں اس مسئلے کے لیے پریشان ہوں؟" اس کی آواز تھوڑی بلند ہوئی۔ "الیکشن آنے والے ہیں میں وہ سب دیکھوں یا روز روز کی یہ ڈرامہ بازی؟ الکحل کمپنی کی تعمیر رک گئی ہے۔ ہماری اینجیو کے فنڈز نہیں آ رہے، کیا مطلب ہے پاکستان میں فیمی سائیڈ ختم ہو گیا ہے، کوئی شوہر بیوی کو قتل نہیں کر رہا، جہیز کے مسائل پر

کوئی ماں باپ خودکشی نہیں کر رہے یا کوئی عورت بچے پیدا کرتے ہوئے مر نہیں رہی؟"

"اماں راجن پور میں واحبہ بی بی کو اس کے شوہر نے قتل کر دیا کیونکہ وہ صرف بیٹیاں پیدا کر رہی تھی اگر ہم یہ مسئلہ۔۔۔۔۔۔"

"اسٹاپ اٹ، اسفند۔" وہ بگڑی۔ ماتھے کے بل گہرے ہوئے۔ "راجن پور؟ کوئی راجن پور کو جانتا بھی ہے؟ مجھے کچھ تگڑا کیس بتاؤ۔ کوئی ایسی کہانی جس کے ذریعے عورتوں کے حقوق پر ہمارا بولنا اچھا بھی تو لگے۔ کسی امیر اور ورکنگ وومن کا قصہ لاؤ۔ گاؤں دیہات کی عورتوں کے مسائل لائیں گے تو لوگ کہیں گے حکومت نے ان کی بہتری کے لیے کیا کیا؟ اور ہمارے پاس کیا اتنا وقت ہے جو ان جاہل عورتوں پر صرف کریں؟"

ابلیس اگر انہیں دیکھے تو اپنے پھیلائے ہوئے شر پر تفاخر کرتے کرتے جئے۔ انسانی جان، ایک عورت کے اصل حق کیا یہ سب محض سیاست تھی؟ محض ڈھکوسلہ؟

"یہ سارے فنڈز الیکشن کے لیے استعمال ہوں گے۔ اس کے علاوہ مجھے تم سے ایک فیور

چاہیے، تمکنت۔" کرسی کے ہتھے پر ہاتھ رکھے وہ اب دھیمی آواز میں کہہ رہی تھی۔ "یہ الیکشن بے حد ضروری ہیں اور الیکشنز کے لیے پیسہ چاہیے ہے۔ پیسہ کیسے آئے گا؟"

"میں کوشش کر رہی ہوں جلد ہی ہماری اینجیو کے لیے فنڈز آجائیں گے اور۔۔۔۔۔۔"

"لعنت ہو ان فنڈز پر، ٹکے ٹکے پر انتخابات نہیں لڑے جاتے۔ وقاص گیلانی سے بات کرو گی تم۔ ہم اس کا کام کروائیں گے اور وہ ہمیں تین گنا زیادہ رقم دے گا۔"

اسفندیار نے پہلی بار اپنی ماں کو بے بسی بھری ناگواری سے دیکھا۔ "اماں اب ہم ایسے لوگوں کے ساتھ جڑیں گے جو آرگن ٹریفکنگ کرتے ہیں؟ ڈسگسٹنگ۔ وہ بچوں تک کو نہیں بخشتا۔ اسے فری ہینڈ دینا غلط ہو گا۔ ہم اسے تحفظ دیں گے تو وہ آگ لگا دے گا۔"

"تمھارے اندر کا مسیحا جاگ رہا ہے کیا؟ میری جگہ تم بیٹھ جاؤ۔" وہ اسی بلند بے لچک لہجے میں بولی۔ "اور آج کا جلسہ تم دیکھو گے۔۔۔۔۔" یہ الفاظ کہتے ہوئے اس کے لہجے میں ناپسندیدگی تھی۔

اسفند لب بھینچ کر رہ گیا۔ روبینہ اب تمکنت سے کچھ کہہ رہی تھی جو غور سے اس کی بات سن رہی تھی۔ اسفند یار کے برعکس تمکنت اپنے "کردار" کے ساتھ مکمل وفادار نظر آرہی تھی۔ جبکہ اسفند ان دونوں عورتوں کی تخریب کاری سے بے حد متنفر تھا۔

★★★★★★★★★★

آفتاب کی طلائی روشنی شیشے کی دیواروں چھن کر آرہی تھی۔ کیفے میں معمول کی گہما گہمی تھی۔ بیرے کافی اور چائے کے کپ میزوں پر دھرتے نظر آرہے تھے۔ کافی کے دانوں کی کڑوی مہک اور لوگوں کی کھسر پھسر سب روزمرہ کے مطابق تھا۔ شیشے کی دیوار کے قریب بیٹھے عالم کے ہاتھ میں چائے کا کپ تھا۔ اسلان اس کے سامنے بیٹھا تھا، کتاب میز پر دھری تھی۔ جہاں چھوڑی تھی وہاں سے شروع کرنے کا بڑا دل چاہ رہا تھا، کہ ابھی تو اس کے مطلب کے سینز آئے تھے۔

"آپ کو نہیں لگتا ہمارے لحاظ سے یہ جگہ زیادہ مہنگی ہے؟" آس پاس نگاہیں دوڑاتے اس نے تبصرہ کیا۔

"سہراب نے اپنے اندر کا چِندی آدمی تمھارے اندر بھی منتقل کر دیا؟"

"ایسا نہیں ہے چائے پینی تھی تو ہم کسی اور جگہ بھی جاسکتے تھے۔" اسلان نے مدافعانہ انداز اپنایا۔

"یہ دیکھ رہے ہو۔۔۔۔۔" عالم نے نگاہیں ترچھی کر کے اسے ایک طرف بیٹھے لوگ دکھانے چاہے۔ "یہ کلاس، پرسکون ماحول، یہ ادب، صفائی، یہ کہیں اور مل سکتا ہے؟ اور سب سے بڑھ کر ان لوگوں کی نظریں۔ یہ ہمارا معائنہ کر رہے ہیں۔ تمہاری شرٹ کا کپڑا اور میرے پیروں کے جوتے یہ امیر اسی بات کو ڈسکس کر رہے ہوں گے۔ پاکستان میں امیروں نے اپنا "امیر یہ ٹاؤن" بنا رکھا ہے جہاں ان کو لگتا ہے مڈل کلاس کا داخلہ ممنوع ہے۔" اس نے ٹانگ پر ٹانگ چڑھائی۔ "میری انا کو تسکین ملتی ہے جب میں، ایک مڈل کلاس آدمی چند پیسوں کے

بل بوتے پر ان کے امیر یہ ٹاؤن میں آجاتا ہوں اور ان کے اندر جرات نہیں کہ مجھے یہاں سے نکال سکیں۔ کیونکہ ان کے منہ پر مارنے کے لیے میرے پاس پیسہ ہے۔"

اسلان نے ہاتھ اٹھا لیے۔ عالمگیر کے اندر کا anti امیر اس وقت جاگ چکا تھا اور اس کی منطق وہ خود سمجھ جائے یہ بڑی بات ہے۔ وہ دونوں کافی پی کر نکلنے والے تھے جب سہر اب نے کال کر کے انہیں کچھ دیر وہیں رکنے کو کہا۔ وہ قریب ہی تھا دس منٹ میں پہنچ جاتا اور سب اکھٹے گھر جاتے۔ عالم نے فی الحال فرمان برداری کا شاید کوئی نیا کورس کیا تھا کہ بلا چوں چرا اں وہ بات مان گیا۔ اسلان کچھ وقت کتاب پڑھتا رہا، کبھی وہ باہر دیکھنے لگتا۔ کیفے میں موجود کئی لڑکیوں کی نظریں اسے عالم کے اوپر پڑتی دکھائی دے رہی تھیں۔ وہ دونوں اس بات سے واقف تھے اور ان دونوں کے لیے یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ لیکن کوئی شناسا نگاہ بھی تھی جو عالم کو غیر آرام دہ کر رہی تھی۔

"تم عبیر سے آخری بار کب ملے تھے؟" گلاس وال سے باہر دیکھتے عالمگیر نے پوچھا۔ اسلان

نے کتاب میز پر رکھ دی۔ نہیں پڑھ سکتا وہ۔ اُف اُف۔

"ایک ہفتہ پہلے لاہور آنا ہوا تھا ہمارا، تب ملا تھا۔ چاچو اسکار آج صبح بھی ملے تھے۔"

"اس کی خالہ نے زیادہ مسئلہ تو نہیں کیا؟" وہ ہنوز باہر دیکھ رہا تھا اور اسلان اس کے کپڑے، جوتے اور میز پر دھرے اس کے موبائل کو۔ جب وہ جیل گیا تھا تب اس کے پاس یہ موبائل نہیں تھا۔ وہ یہ جوتے پہن کر بھی نہیں گیا تھا۔ پزل باکس کا کوئی ٹکڑا جڑ کر نہیں دے رہا تھا۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ کوئی پہیلی وجود نہیں رکھتی۔ عالم کیا چھپا رہا تھا؟

"نہیں وہ بہت اچھی ہے۔ کافی تعاون کرتی ہے۔" بہت دیر بعد وہ رسان سے بولا۔

"تم سے چھ سال بڑی ہے کوئی جوڑ نہیں ہے۔"

اسلان اول تو سمجھا نہیں اور جب سمجھا تو جیسے کھول کر رہ گیا۔ "لاحول ولا" وہ زیر لب بڑبڑایا۔ پھر اپنی کتاب کھولنی چاہی مگر عالمگیر وہ کتاب اٹھا چکا تھا۔ اس بے دردی سے کہ اسلان کو سرورق کی فکر پڑ گئی۔

"ایک بات بتاؤ۔۔۔۔" اسلان کو دیکھتے اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔ "میں اگر چوتھی شادی کروں تو اس کے لیے عبیر کی خالہ کیسی رہے گی؟"

"آپ اپنی بیٹی کی خالہ سے شادی کیوں کرنا چاہتے ہیں؟"

"بہت چیں چیں کرتی ہے جب بھی جیل جاتا ہوں اسے اس کی خالہ کے پاس چھوڑنا پڑتا ہے خالہ کو ہی گھر لے آؤں؟ کیسا رہے گا؟"

"چوتھا قتل کرنے کا موڈ ہو رہا ہے؟"

عالمگیر بدمزگی سے پیچھے ہوا۔ "تمھیں یقین ہے وہ تین قتل میں نے کیے ہیں؟"

انکار، اقرار کے معاملے برطرف ہوئے کمبخت کی آنکھیں بھی ایسی بے تاثر تھیں کہ کھوجی کھوج نہ لگا سکے۔

"انکار تو آپ نے کبھی کیا نہیں محض ثبوتوں کی قلت ہے۔ آپ وکیل ہیں جرم سے بچنے کے طریقوں سے واقف تو ہوں گے۔" اسلان خلاف توقع خوش مزاجی نہ سہی مگر اکھڑ انداز بھی نہیں اپنائے ہوئے تھا۔ عالم کے سامنے وہ جھاگ کی طرح بیٹھ جاتا تھا یا شاید عالم اسے پسند تھا۔ وہ میز پر ذرا سا آگے کو ہوا، نگاہوں میں رازداری کا پیام تھا۔ "کیا آپ نے واقعی وہ قتل نہیں کیے؟"

"تم میرے باپ نہ بنو۔" عالمگیر نے چائے کا لمبا گھونٹ بھرا، نگاہیں ایک بار پھر باہر جما دیں۔ "میں کارپوریٹ وکیل ہوں میرا کام قتل سے بچنا بچانا نہیں ہے۔"

"پھر بھی کتنی خوبی سے یہ کام کر رہے ہیں۔ کمال ہے۔" اسلان نے اپنے کپ پر تین انگلیاں

بجائیں۔ یوں جیسے سراہا ہو۔ عالم ہولے سے ہنس دیا۔ اس کی آنکھیں ساتھ چمکیں۔ اس نے ایک نظر اسلان کو دیکھا اور دوبارہ ہنس دیا۔ اسلان ہولے سے بس اس کا ساتھ دینے کو مسکرایا۔

"گدھے مجھے چھوڑو اپنا قصہ سناؤ کہاں پہنچے؟ تمہاری اوراسکار کی بنی یا نہیں؟"

اسلان نے شانے اچکائے۔ ”ان کو لگتا ہے میرے باپ بنیں گے اور میں سدھر جاؤں گا۔ وہ یہ نہیں جانتے سدھرا تو آج تک میرا باپ بھی نہیں۔“

”وہ ہے کہاں؟ اب تک لینے کیوں نہیں آیا مجھے؟“

”مجھے نہیں بتایا کسی کام سے گئے ہوں گے۔“ وہ واقعی لاعلم تھا۔ ابھی وہ مزید کچھ کہتا کہ اسلان کا فون جل کر بجھ گیا۔ اس نے موبائل اٹھا کر دیکھا تو سہراب کی طرف سے پیغام تھا۔ وہ باہر آگیا تھا۔ گلاس وال سے وہ کیفے کے باہر کھڑا دکھائی دے رہا تھا۔ عالم اسے دیکھتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ بٹوے سے چند نوٹ نکال کر میز پر رکھے، مگ ان کے اوپر رکھا۔ اسلان دیکھ سکتا تھا کہ نوٹ ضرورت سے زیادہ تھے۔ یمن بادشاہ کی شاہ خرچیاں۔ جاتے ہوئے اس نے ایک بار پھر متلاشی نگاہوں سے آس پاس تکا، نہ اس شناسا نگاہ کی کھوج لگنی تھی نہ وہ لگا پایا۔ لیکن کچھ تھا جو اسے محسوس ہوا تھا یہ عالم کا وہم ہرگز نہیں تھا۔

وہ دونوں ایک ساتھ باہر نکل آئے سہراب ان کے سامنے آکر رکا۔ عالم کو دیکھ کر ہلکا سا مسکرایا اور پنجہ عالمگیر کی طرف بڑھایا جسے وہ مضبوط سے تھام کر اب وہی پنجہ بازو سے گزارتے اسے گلے لگا رہا تھا۔ پھر دونوں نے ایک دوسرے کا کندھا تھپکا۔ چند لمحے یونہی ایک دوسرے سے لگے رہے۔

”ویلکم بیک“ سہراب نے دھیرے سے کہا۔ پھر اسے الگ کیا اور اس کا کندھا ایک بار پھر تھپکا۔ ”عالم کی واپسی کا دن وہ خراب نہیں کرتا تھا لیکن آج اس کی آنکھوں میں کوئی سختی تھی۔ ”گھر چلیں یا عبیر کو لینے؟“

”پہلے عبیر کو پک کرنا ہے۔ جلدی کرو دیر ہو رہی ہے۔“ عالمگیر گاڑی کی طرف بڑھا جب اسلان نے چابی سہراب کے آگے لہرائی۔

”میں فی الحال گھر نہیں آرہا کچھ کام ہے۔“ جینز کی جیب میں ایک ہاتھ ڈالے ٹکا سا جواب دیا۔

سہراب اسے روکنا چاہتا تھا لیکن روکا نہیں۔ عالم کی واپسی کا دن وہ کسی بدمزگی میں ضائع کرنے کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ اس نے چابی لے لی۔ یوں بھی اسے اپنے بھائی سے کچھ ضروری بات کرنی تھی۔ جو اکیلے میں ہو سکتی تھی۔

"جلدی گھر آجانا میں کھانے پر انتظار کروں گا۔" اسی انداز میں اس کا کندھا تھپکا جیسے کچھ دیر قبل عالمگیر کا۔ "آج ہم سب ساتھ کھانا کھائیں گے۔"

تھوڑی دیر بعد گاڑی ایک رہائشی علاقے میں آکر رکی جہاں قطار در قطار گھر بنے تھے۔ عالم نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا، بال درست کیے۔ شرٹ کا اوپری بٹن بند کیا اور گاڑی سے باہر نکل گیا۔

باہر نکل کر اس نے قطار میں بنے گھروں میں سے ایک گھر کی گھنٹی بجائی۔ گاڑی کے شیشے کے پار سہراب دیکھ سکتا تھا کہ عالمگیر کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ در آئی ہے، انداز میں تھوڑی سی عجلت بھی۔ دروازہ کھلا پہلے ایک عورت نظر آئی، اس نے عالمگیر پر کچھ طنز کسے جواباً اس نے بھی زبان کے جوہر دکھائے، پھر دروازہ اس کے منہ پر بند ہوا اور کچھ دیر بعد عورت کے ساتھ ایک چھوٹی بچی بھی دروازے پر نمودار ہوئی۔ چھ سے سات سال کی عمر، لمبے بال جن کی دو چٹیا بنی تھیں، آنکھیں ہو بہو عالم کی آنکھوں جیسی رنگت بھی وہی۔ وہ عکس عالمگیر تھی۔ وہ گھٹنوں کے بل نیچے بیٹھا، بانہیں پھیلا دیں۔

چھ سالہ بچی نے ہنستے ہوئے اس کی گردن کے گرد بازو حمائل کیے۔ کسی نے عالمگیر کے سینے پر ٹھنڈی سل رکھ دی۔ سب بہتر سے بہترین ہو گیا۔ اس کی بیٹی اس کے گلے لگ رہی تھی یہ احساس کامل تھا۔ وہ الگ ہو کر اس کے دونوں گال چوم گئی تو وہ سرشار ہوا۔

"میرا بچہ، بابا کو مس کیا؟" وہ محبت سے اس کا کندھا چوم رہا تھا۔ پھر اس کے بال سہلائے اور اسے بازوؤں میں بھر کر اٹھایا۔ "بابا نے کال کی تھی آپ نے بولا آپ کو بابا سے بات نہیں کرنی؟" اس نے بچی کی خالہ سے بستہ لیتے اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھتے ہوئے پوچھا۔

"کال؟ کب میں نے تو ایسا نہیں کہا۔" عبیر عالمگیر نے فوراً جواب دیا۔ عالم پر تپش نگاہوں سے چوکھٹ پر ایستادہ اس عورت کو دیکھتا رہا، آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے کئی دھمکیاں دیں مگر عبیر کی موجودگی میں خاموش رہا۔ صبیحہ یونہی ڈھٹائی سے دروازے پر جمی کھڑی رہی۔

"اگر بیٹی سے اتنا پیار تھا تو اس کی ماں کو قتل نہیں کرنا چاہیے تھا۔"

"درست۔اس کی ماں کی جگہ تمہیں جہنم بدر کرنا چاہیے تھا۔"

"تم مجھے میلی نظر سے دیکھو میں تمہاری آنکھیں نہ نکال دوں؟"

"میلی نظر؟ آج جا کر آئینے میں اپنی شکل دوبارہ دیکھنا میں تمھیں دیکھنا بھی پسند نہیں کرتا۔"

وہ سختی سے بولا۔جواباً صبیحہ نے دوبارہ کچھ کہا جسے وہ نظر انداز کرتا واپس گاڑی کی طرف آیا۔پچھلی نشست پر بیگ رکھا اور خود عبیر کے ساتھ آگے آکر بیٹھا۔

"ہائے بڑے ابا۔"سہراب کو دیکھتے اس نے چہک کر کہا۔وہ بس مسکرایا۔ماشاءاللہ۔

"بچے، سلام کرتے ہیں ہائے نہیں بولتے۔"عالمگیر نے فوراً ٹوکا۔

"خالہ نے بولا تھا ہائے بولو۔"وہ اس کے سینے میں گھستے ہوئے بولی۔

"تمہاری خالہ کے اقوال زریں تو میں بند کرواؤں گا۔"وہ زیر لب بڑبڑایا۔"ذرا اس سے پوچھوں تو اس کی اماں ہائے بولتی تھیں کہ ابا؟"

"بابا آپ پھر ٹرپ پر کب جائیں گے؟"عبیر اس کی ٹھوڑی کو دونوں ہاتھوں میں تھامتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔سہراب ہنس پڑا۔

"تمھارے بابا ٹرپ کے شوقین ہیں بہت جلد دوبارہ جاتے ہوئے نظر آئیں گے۔انشاءاللہ۔"

عالمگیر نے آنکھیں گھمائیں۔"بیٹا اس ٹرپ کے چکروں سے تو اب ایک ہی بار باہر آؤں گا۔مجھے سادات فرم چھوڑ دو۔"پہلی بات عبیر سے اور دوسری سہراب سے کہی۔

"وہاں کیا کام ہے؟"

"دفتر کوئی ناچنے جاتا ہے کیا؟"

"چھ ماہ کی جیل کاٹنے والوں کو دفتر میں واپس لیا جاتا ہے کیا؟"

"وکیلوں میں مورلز کی بہت کمی ہے ہماری کمیونٹی میں سب جائز ہے۔" وہ بے نیازی سے

بولا۔ عین اسی لمحے اس کی نگاہ سڑک پر لگے جدید بینر پر پڑی۔ نگاہ ساکت اور دل ساکن ایک ساتھ ہوا۔ ہیزل آنکھیں کتنے ہی پل وہیں جمی رہیں۔ سہراب نے اس کی نگاہوں کی تقلید میں دیکھا بینر پر ایک خوش شکل ماڈل کی تصویر لگی تھی جس میں وہ کسی مشروب کی تشہیر کرتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔ عبیر کے بالوں میں چلتی اس کی انگلیاں تھم گئی تھیں۔ بس ایک گھڑی تھی جس میں اس کی آنکھیں لاتعداد رنگوں اور جذبوں میں منعکس ہوئیں اور لمحہ بعد واپس سکوت، سگنل کھل گیا گاڑی آگے بڑھ گئی لیکن کچھ پیچھے رہ گیا تھا۔ شاید قلبِ عالمگیر۔

"تمہیں کچھ بتانا تھا۔" سہراب نے سڑک پر نگاہیں جمائے ہوئے کہا۔ وہ اس کی چند لمحہ قبل کی بے اختیاری دیکھ چکا تھا۔ "اس خاندان کے ساتھ ایک نیا تعلق جڑنے والا ہے۔"

وہ جو شیشے کے پار تک رہا تھا ایک لمحے کو جامد ہو گیا۔ سوالیہ نظروں سے سہراب کو دیکھا۔ "انارا، اور تاجور کا بھائی۔"

عالمگیر نے گردن پھیر کر اسے دیکھا۔ الفاظ کسی پھن والے سانپ کی طرح اس کے اندر تک زہر بھر گئے۔ وہ کتنے ہی لمحے کچھ کہہ نہیں سکا۔ زبان مقفل، نگاہ جامد اور دل ساکن۔

"انارا کا دماغ خراب ہے یا تمہارا؟" بہت دیر بعد الفاظ غراہٹ کی صورت اس کے حلق سے باہر آئے۔

سہراب نے شانے اچکائے۔ "دل، عالمگیر دل۔ بگڑے دماغ درست ہو جاتے ہیں دل نہیں۔"

"بنگش خاندان کے پاس پتھر ہے دل نہیں۔" اس نے سختی سے کہا۔ "میں گھر آ کر دل اور دماغ سب درست کرتا ہوں۔ تم لوگ پاگل ہو گئے ہو یہ تعلق تو میری موت کے بعد بھی نہیں جڑے گا۔"

سہراب نے کچھ نہیں کہا بس چپ چاپ گاڑی منزل کی طرف موڑی اور چند پل بعد وہ سادات لاء فرم کے سامنے

گاڑی روک چکا تھا۔ عالم نے عبیر کو نشست پر بٹھایا اور اسے اپنے تایا کے ساتھ رہنے کی تلقین کرتے ہوئے گاڑی سے اتر کر عمارت کی طرف بڑھ گیا۔ اس کے چہرے پر بے تحاشا غصہ اور کوئی بے بسی تھی۔ قدموں میں تیزی اور تنفر۔ غور سے دیکھنے پر اس کی آنکھوں میں ہنوز بے یقینی بھی تھی۔

گاڑی میں سہر اب یمن بنگش خاندان سے اپنے خاندان کے پرانے تعلق کو یاد کرنے کے لیے تنہا رہ گیا۔

★★★★★★★★★★★

"چند برس قبل"

یہ اس دور کا ذکر ہے جب زندگی میں نوٹس، اسائمنٹس، پریزنٹیشن اور حاضری پوری کروانے کی فکریں ہوا کرتی تھیں۔ ان دنوں زندگی حسین تھی۔ یمن خاندان کے عالمگیر کے لیے۔ اس حسن میں مزید اضافہ تب ہوا جب اس کا دل محبت نامی وبا سے متاثر ہوا۔ یونیورسٹی کے کیفے ٹیریا میں باتیں، چائے، کافی اور دوستوں کی باتیں تھیں۔ عالمگیر کی بے فکری بھی۔

انہی باتوں اور قہقہوں کے درمیان اس کہانی کا ایک تکون بھی تھا۔ سہر اب، عالمگیر اور یافث طارون۔ وہ بائیس تیئیس برس کے عمروں میں تھے۔ ایک دوسرے کے بہترین دوست۔ عالمگیر ان دنوں بھی یونیورسٹی میں اپنی وجاہت اور دلکشی کے لیے مشہور تھا۔ وہ مقبول تھا اور اس بات سے باعلم بھی۔ بعض دفعہ وہ اسی شے کو اپنے مقصد کے لیے استعمال بھی کیا کرتا تھا۔ اپنی وجاہت کو استعمال میں لا کر اپنے کام نکلوانا اسے کچھ خاص برا نہیں لگتا تھا۔

"یہ سمیسٹر ختم ہونے دو اگلی دفعہ آخری سمیسٹر میں اتنے اچھے سے پڑھوں گا کہ لاء کالج میں میرا داخلہ میرٹ پر ہی ہو گا۔" چائے کا کپ لبوں تک لے جاتے عالمگیر نے مستقبل کی پیشن گوئی کی۔ کم عمری میں اس کا چہرہ اتنا ہی پر کشش تھا۔ بال گھنے اور سلیقے سے سجے ہوئے۔

"تم صرف لاء کالج کے لیے پڑھو گے؟ جب تک یہاں ہو ہماری عزت بچانے کے لیے ہی پڑھ

لو۔" یافث نے اسے غیرت دلوانی چاہی۔ "ویسے ایک اور آئیڈیا بھی ہے۔" وہ میز پر آگے کو ہوا۔ سہر اب اور

عالمگیر بھی آگے ہوئے۔ ”میم آمنہ کی بیٹی تمہیں دیکھ دیکھ کر بلش کرتی ہے۔ تم اسے دیکھ کر مسکرادو تو وہ اپنی ماں سے پیپر چوری کر کے ہمیں دے سکتی ہے۔“

سہر اب تاسف سے نفی میں سر ہلاتے پیچھے ہوا۔ ”میم آمنہ کی بیٹی کو دیکھ کر مسکرادیاناں تو وہ اگلے دن رشتہ لے کر گھر آئے گی۔“

”تولے آنے دوناں۔“ سہر اب نے میز پر بے فکری سے تالی بجائی۔ ”پیپر میں بھی پاس اور اچھے خاصے خاندان میں بات بھی پکی۔ مسئلہ کہاں ہے؟“

عین اسی پل کینٹین کے دروازے سے تاجور بنگش اپنی کچھ دوستوں کے ساتھ آتی ہوئی دکھائی دی۔ گوری گلابی رنگت، جدید تراش خراش کا لباس، اس کی ذات کا اعتماد اور اونچے شملے سے اس کا تعلق یہ وہ خصوصیات تھیں۔ جن کی بنا پر ہر لڑکا اس کی جانب متوجہ ہوتا تھا۔ ”دل“ یہ واحد وجہ تھی جس کی بنا پر عالمگیر یمن تاجور بنگش کی جانب متوجہ ہوتا تھا۔

”تمہیں واقعی لگتا ہے کوئی مسئلہ نہیں ہے؟“ سہر اب اپنے سنجیدہ چہرے کو بمشکل سنجیدہ رکھے عالمگیر کی نگاہوں کے بدلتے ہوئے زاویے دیکھ رہا تھا۔ ”عالم کیا خیال ہے؟“

اس نے مسکراتے ہوئے چہرہ میز سے اٹھایا۔ ”مسئلہ تو واقعی ہے۔ حل کرواؤناں یار۔“ اس

نے سہر اب کی طرف دیکھ کر لاڈ سے کہا۔

”کتنا پسند کرتے ہو؟“ یافث نے پوچھا۔

عالم گردن جھکا کر مسکرایا۔ ”بہت۔“

”پھر بھی کتنا؟“

”وکالت کے بعد عالم کی دوسری محبت۔“ سہر اب نے لقمہ دیا۔

"عالم کی پہلی محبت، مائنڈ یو۔" عالمگیر نے انگلی اٹھا کر تنبیہہ کی۔ "تم لوگ یہاں سڑتے رہنا میں تو ڈگری کے ساتھ تم دونوں کی بھابی بھی لے کر جاؤں گا۔" سہراب اور یافث کے لیے اس کی یہ وارفتگی اور والہانہ پن نیا ہرگز نہیں تھا لیکن آج پہلی بار سہراب کو لگا وہ حد سے زیادہ سنجیدہ ہے۔ "اس کو اور مجھے ایک ساتھ دیکھو، بالکل پکچر پرفیکٹ۔" کم از کم اس معاملے میں وہ درست تھا۔

"عالم۔۔۔۔۔" جوس کا گلاس ہاتھ میں ہلاتے، مائع پر نگاہیں جمائے سہراب نے سنجیدگی سے اسے پکارا۔ "تمھیں نہیں لگتا یہ ہمارے بیچ یعنی تمھارے ساتھ مس فٹ ہو گی۔"

عالمگیر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ "تم اور یافث ہوتے تو وہ واقعی مس فٹ ہوتی۔ لیکن مجھے دیکھو، ذرا غور سے دیکھو تو تمہیں پتا چلے میں تم دونوں سے بہت مختلف ہوں۔" وہ صحیح کہہ رہا تھا۔ جہاں یافث اور سہراب کو پڑھائی اور نوکری کی فکر ستاتی تھی وہیں عالمگیر کو اپنی "انویسٹ" کی گئی چھوٹی موٹی رقومات کا غم ستاتا۔ وہ اونچے خواب رکھتا تھا اور ان کی تعبیر کے لیے کسی بھی حد تک جانے کو راضی نظر آرہا تھا۔ وہ دونوں لنڈے بازار کے کپڑوں پر راضی ہو جاتے اور عالم ہزاروں روپے کپڑے، جوتے، خوشبو اور کھانے پر لگا دیتا۔ وہ خوبصورت تھا اور اس بات سے بخوبی واقف بھی۔ ذرا سی تراش خراش اسے ایک مڈل کلاس مرد سے کسی رئیس زادے میں تبدیل کر دیتی تھی اور اس بات سے انکاری کون تھا؟

"میں تم دونوں کی طرح محدود خواہشیں نہیں رکھتا اور نہ محدود وسائل۔ عالمگیر کو محبت اگر پیسہ کمانے سے ملے گی تو وہ اتنا کما کر لائے گا کہ گنتی ممکن نہ ہو۔" بھورے بال ماتھے پر بکھیرے وہ مستقبل کے نقشے کھینچ رہا تھا۔ "تم دونوں کنگلے محبت بھی سوچ سمجھ کر کرنا۔" انگلی اٹھا کر تنبیہہ کی۔

"یہ اپنی محبت کے قصے سنا رہا ہے یا ہماری بے عزتی کر رہا ہے؟" یافث کو اعتراض ہوا۔

"دونوں۔" سہراب بولا۔

"اور باقاعدہ دونوں میں کامیاب بھی ہو رہا ہوں۔"

یافث اور عالم اب کسی بات پر الجھ رہے تھے۔ سہر اب ٹھنڈی چائے کے گھونٹ بھر تا

لاشعوری طور پر مستقبل میں اپنے بھائی کی محبت کو ناکام ہوتے دیکھ رہا تھا۔ حالانکہ وہ نہیں دیکھنا چاہتا تھا لیکن اب جو ہے سو ہے۔ اس کی زندگی میں "کہا تھا ناں" ایسے لمحات آتے رہتے تھے ایک اور آنا تھا بہت جلد۔

★★★★★★★★★

"کیسے کیا؟" یہ آواز ایک بوڑھے مرد کی تھی جو گاڑی کی پچھلی نشست پر اسفند کے برابر، براجمان تھا۔ بال سارے پیچھے کی طرف کیے ہوئے، چوڑا ماتھا، بے شکن اور پرکشش نقوش سختی کے ساتھ آپس میں گھلے ہوئے۔ اس کے آس پاس کافور کی بُو جیسی گھٹن تھی۔ ٹانگیں معذور تھیں، اس سمے وہ نشست پر نیم دراز اور سارا دھیان سامنے تھا۔

"کیا کیسے کیا؟" نک سک سے تیار ان کی دائیں طرف بیٹھا مرد موبائل چلاتے مصروف سا بولا۔

سجاد انصاری نے نگاہیں سامنے جما کر رکھیں، آنکھوں کی پتلیاں جیسے ایک ہی جگہ منجمند ہوں۔ "اپنی ماں یعنی ایک ناکام سیاست دان کو اس جلسے میں آنے سے کیسے روکا؟" اس عورت کی بات کرتے ہوئے ان کے لہجے میں ہتک تھی۔

اسفند نے سادگی سے اپنے باپ کو تکا۔ نگاہوں میں جہان بھر کا بھولپن تھا۔ "کیا میں نے واقعی ایسا کیا؟ وہ نہیں آنا چاہتی تھیں ابا اور ان کا نہ آنا ہی ہمارا حق میں بہتر تھا۔ سیاست کو وہ انسان چاہیے جسے زبان پر قابو، اور اعصاب پر اس سے دگنا قابو ہو۔"

سجاد نے ہلکی سی گردن پھیر کر اسے تکا، چند لمحے وہ دونوں اسی طرح ایک دوجے کو تکتے رہے اور اگلے لمحے ان دونوں کے لب ہلکی سی مکروہ، شاطر مسکراہٹ میں ڈھل گئے۔

"کام مشکل تھا ابا لیکن کیا کریں کرنا پڑتا ہے۔ اماں بوڑھی ہو گئی ہیں اور نئی نسل کی قیادت اب ان کے بس کی بات نہیں رہی ویسے بھی چند سال قبل وہ ہماری پارٹی کی ساکھ کو بہت بری طرح نقصان پہنچا چکی ہیں۔ دوبارہ موقع

دیناغلط ہو گا۔"

سجاد نے گہری سانس لی، گردن اثبات میں ہلائی وہ اب دوبارہ سامنے دیکھنے لگے تھے۔"پیسہ، اسفند انتخابات بے دریغ پیسہ مانگتے ہیں۔ ایک ہی کاروبار تھا ہمارا جس کا حساب سرکار کو نہیں جاتا تھا تم نے وہاں بھی اس دو ٹکے کی اداکارہ کو شراکت فراہم کر رکھی ہے، اوپر سے تمہاری ماں اسے الگ پیسہ چاہیے سوچا ہے اپنی تخریب کاری اور اپنی ماں کا منہ بند کروانے کا پیسہ کہاں سے لاؤ گے ؟"

لاہور کی بھیڑ بھری سڑکوں پر ان کی گاڑی اسی مد بھڑ میں کہیں ٹھہر گئی۔ اسفند اپنا موبائل گود میں رکھے لبوں پر مٹھی جمائے اب سوچ میں پڑ گیا تھا۔

"ایک طریقہ ہے تھوڑا مشکل مگر۔۔۔۔۔" وہ کھل کر مسکرایا۔"میں کر لوں گا ابا۔ یہ انتخابات میرے ہیں، فتح بھی میری، آپ فکر نہ کریں۔"

سجاد نے اسے نہیں دیکھا، ماتھے کی شکن بر قرار رہیں وہ خوش تھے، مطمئن یا غیر مطمئن یہ ان کے چہرے سے اندازہ لگانا مشکل تھا۔

کچھ دیر بعد اگر آسمان کے کسی اڑن کھٹولے سے نیچے جھانک کر دیکھو تو ایک وسیع قطعے پر لوگ بڑی تعداد میں جمع تھے۔

عوام کا ایک سمندر تھا جو اسفند انصاری کو سننے کے لیے تیار کھڑا تھا اس کے ایک اشارے پر یہ مجمع جان تک دے سکتا تھا۔ مائیک تھامے وہ چبوترے پر کھڑا تھا، لوگوں کو دیکھ کر ہاتھ ہلاتے ہوئے اس کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ پارٹی کا، لوگوں کا، ملک کا سب سے دلدادہ اسفند سجاد انصاری۔۔۔۔۔

"روٹی، کپڑا، مکان۔۔۔۔۔ یہ دعویٰ، یہ عہد اقتدار میں آنے والی ہر جماعت نے کیا اور اسے بھولے یوں گویا یہ الفاظ منہ سے کبھی نکلے ہی نہ ہوں۔" مائیک تھامے وہ عوام سے مخاطب تھا۔"ہم ذرا اس دعوے میں ترمیم کرتے ہیں۔ تعلیم، روزگار، صحت۔۔۔۔۔ ہمارا وعدہ آپ سے ان تمام بنیادی سہولیات کا ہو گا کیونکہ روٹی، کپڑا، مکان تو

پچھلی سرکار دے چکی ناں؟" وہ مسکرا کر بولا۔

اپنے گھر کے لاؤنج میں ٹی وی پر نشر ہوتا یہ براہ راست جلسہ دیکھتی روبینہ انصاری کی نگاہوں میں کوئی چبھن اور ناپسندیدگی تھی۔ کچھ تھا جو اسے کھٹک رہا تھا لیکن وہ پارٹی کے سب سے بڑے سرمایہ کار کو کھونے کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔

★★★★★★★★★

دفتر کی راہداریوں میں چلتے ہوئے اس کا چہرہ خطرناک حد تک سپاٹ تھا۔ ہاتھ میں ڈھیر سارے کاغذات کے پلندے لیے جب وہ ارمغان علی کے کمرے میں داخل ہوا تو وہاں پہلے سے کوئی موجود تھا۔ شاہ زید کو دیکھتے ہی ارمغان کے چہرے پر استہزائیہ مسکراہٹ ابھری۔

"دفتر کے اصل مالک تشریف لے ہی آئے عالی جاہ آپ کی کرسی یہاں لگوادوں یا آپ کو اپنی کرسی پیش کروں۔"

زید بغیر کچھ کہے آگے آیا۔ اس کی آنکھیں شب خوابی کے باعث سرخ پڑ رہی تھیں۔ میز پر کاغذات دھر کر وہ کرسی پر بیٹھ گیا۔ ارمغان نے دوسرے ملازم سے جانے کو کہا۔ "جو آپ کو چاہیے تھا وہ اس میں موجود ہے اور اگر کچھ بھی پوچھنا ہو یا پھر بتانا ہو تو مدیحہ موجود ہے اب اس معاملے کو سربراہ کی حیثیت سے دیکھے گی۔"

"اور آپ جناب کیا کریں گے؟" ان کا بس نہیں چلتا تھا کہ اس امیر زادے کو اٹھا کر دفتر سے

باہر نکال پھینکیں۔ وہ اس کی یہاں تقرری سے ہی بے زار تھے۔

"میرے کچھ ذاتی کام ہیں باس، میں وہی کروں گا۔" تحمل سے کہتے ہوئے وہ اپنی جگہ سے اٹھا۔ "مجھے ایجنٹ کا نمبر چاہیے یا پھر کوئی بھی ایسی شے جو مجھے اس تک پہنچا سکے۔"

ارمغان کافی دیر تک چبھتی نظروں سے اسے دیکھے گیا۔ زید کے صبر کا اچھا خاصا امتحان لیا جا رہا تھا لیکن فی الحال وہ کسی قسم کے فساد کا متمنی نہیں ہو سکتا تھا لہٰذا بازو سینے پر باندھے وہ پر تپش نظروں سے اپنے باس کو دیکھ رہا تھا۔

"میرے پاس اس کا کانٹیکٹ نمبر نہیں ہے لیکن۔۔۔۔۔۔" لبوں کے کونے اٹھائے وہ پر سراریت سے مسکرائے۔ "ایجنٹ خود تم تک آنا چاہتا ہے۔ کیا خوب اتفاق ہے جس خبر کے پیچھے تم ہو وہ تمھیں ہیڈ لائن سمجھ کر تمھارے پیچھے ہے۔ معاملہ کیا ہے، شاہ زید؟" وہ واقعی جاننا چاہ رہے تھے۔ آنکھوں میں بلا کے محظوظ ہوئے تھے۔

زید جو اس نئی خبر سے متحیر ہوا تھا تاثرات دبا کر رکھے۔ "جیسا کہ میں نے کہا۔ اٹس پرسنل۔"

کچھ تھا جو ارمغان کو کھٹکا۔ یہ لفظ یہ دو لفظ انہوں نے کل ہی سنے تھے۔ کس سے، کب، کیوں؟ ابھی معلوم کیے دیتے ہیں۔۔۔۔۔۔

کل یہ دفتر اس طرح تابناک نہیں تھا۔ بتیاں مدھم تھیں۔ دفتر خالی اور ارمغان صاحب جو

اس وقت چھاتی چوڑی کیے شاہ زید کو رگڑ رہے تھے۔ ان کا ایک پسینہ آ اور دوسرا جا رہا تھا۔ سامنے کوئی دیو ہکل انسان بیٹھا تھا۔

"وہ آپ کے پاس کام کرتا ہے ناں؟" نیم اندھیرے میں کرسی پر بیٹھا شخص بھاری آواز میں پوچھ رہا تھا۔ میز پر پیپر ویٹ گھمانے سے دفتر میں ہلکا سا شور پیدا ہو رہا تھا۔ "اس کے بھائی تک جانا ہے مجھے۔ کیوں؟ یہ مت پوچھیں۔ کیسے یہ آپ بتائیں گے اور کب یہ میں طے کروں گا۔" اس نے مدعا سامنے رکھا۔ وہ مکمل سنجیدگی اور دوٹوک لہجے میں کہہ رہا تھا۔

ارمغان نے گہرا سانس بھرا۔ اچھے خاصے جرائم پیشہ افراد سے ان کا روز کا واسطہ تھا اور ایک یہ تھا جو سادھ ہو کر خوف دلا رہا تھا۔ کمبخت منہ سے بات کرتے کرتے کب ہاتھوں کی زبان شروع کر دیتا تھا، پتہ بھی نہیں چلتا تھا۔

"شاہ زید؟ اس کے بھائی سے تمہارا کیا تعلق ہے یعنی اس سے کیا چاہیے تمھیں؟"

ایجنٹ نے گہری سانس لی۔ پیپر ویٹ کی ہر حرکت تھم گئی۔ "اٹس پرسنل!" وہی دو لفظ، وہی پر سراریت، وہی مخفی راز۔

کسی نے کل کے منظر پر تیزی سے سرخ پردہ تان دیا، پردے کے اس پار آج کا منظر تھا۔

"باس؟" زید کی پکار پر وہ حال میں آئے۔ اندھیرے سے روشنی میں۔ خوف سے بے خوفی

میں۔ "اسے مجھ سے کیا چاہیے؟ میں اس تک کیسے پہنچوں؟"

ارمغان صاحب نے ٹھوڑی کھجائی اور شاہ زید کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ غیر آرام دہ سا کرسی کے کنارے پر ٹک گیا۔ چہرے پر کچھ تھا تو محض بھائی کی محبت۔ "اسے پتا ہے تم پنڈی گئے تھے اسے معلوم ہے کہ تمھیں اس سیریل کلر کا راز جاننا ہے۔ وہ چاہتا ہے تم اسے کوئی ایسی اطلاع دو جو اس کیس کو نیا رخ دے یا پھر نئی جان اور اس کے بعد وہ تمھارے لیے وہ کام کرے گا جس کی تمھیں ضرورت ہے۔"

"وہ کیا؟"

"اٹس پرسنل!" ابھی شاہ زید کچھ کہتا کہ۔۔۔۔۔۔ "ایسا اس نے کہا۔" انہوں نے فوراً صفائی دی۔ شاہ زید کے دماغ میں جھکڑ چلنے لگے اور انہی جھکڑوں کے درمیان اس کے ذہن میں ایک جملہ آیا۔

"وہ مرد نہیں، عورت ہے!" زید اس نشست پر بیٹھے ہوئے کتنی دیر تک شل رہا اسے اندازہ نہیں تھا۔ وہاں سے اٹھتے ہوئے اس کے ذہن میں بہت کچھ تھا۔ دفتر کی راہداریوں میں بھاگتے ہوئے ساری رات کا جاگا ہوا ہونے کے باوجود پنڈی کی طرف جاتے ہوئے اس کے ذہن میں بس ایک بات تھی۔ اسے دیر نہیں کرنی۔ اسے کسی سے یہ نہیں سننا تھا کہ۔۔۔۔۔۔۔

"تم نے دیر کر دی، شاہ زید۔"

★★★★★★★★★

"ایک منٹ ایک منٹ۔۔۔۔۔" ہوٹل روم کی قاری اپنے قصہ گو کو روک چکی تھی۔ "تم آگے نہیں بڑھ سکتے پہلے تمھیں وہ گتھیاں سلجھانی ہوں گی جنہیں تم پیچھے نامکمل چھوڑ کر آئے ہو۔"

"یہ گتھیاں بُننے کا وقت ہے مادام۔"

"ہاں ہاں ٹھیک ہے لیکن پہلے مجھے یہ بتاؤ۔۔۔۔۔"وہ آگے کو ہوئی۔آنکھوں میں کوئی شیطانی سی چمک ابھری۔"اسلان یمن اس روز کہاں گیا تھا؟"

"تمہیں ایسا کیوں لگتا ہے کہ یہ کوئی خاص قصہ ہے؟"

"گٹ فیلنگز۔"اس نے آنکھیں گھمائیں۔

"اوکے پھر وہیں سے شروع کرتے ہیں۔"تابعداری کی انتہا۔

★★★★★★★★★★★★

"اسلان یمن اس روز کہاں گیا تھا؟"

اندرون لاہور کی تنگ و تاریک گلیوں میں سرمئی پینٹ کے ساتھ سرمئی ہی ہڈی والا اسلان یمن تیز تیز قدم اٹھا رہا تھا۔شام کی سیاہی آہستہ آہستہ پھیل رہی تھی گھروں کی بتیاں جلنے لگیں تو اندرون کی یہ گلیاں مصر کے قدیم ادوار کی کہانی سنانے لگیں۔وہ چلتے چلتے بازار کی طرف نکل آیا۔رش،شور وغل اور لوگوں کے درمیان وہ موبائل پر نظر آتی ایک تصویر دیکھ رہا تھا۔چھوٹی سی شیشے کے دروازوں والی دکان جس پر موٹی موٹی لکھائیوں میں "ریاض پبلیکیشنز" لکھا تھا۔اسلان یمن نے نگاہیں آس پاس دوڑائیں اور نسبتاً ایک کونے والی دکان ریاض پبلیکیشنز کی تھی۔وہ ہڈی سر پر درست کرتے رش کے درمیان راستہ بناتے ہوئے دکان کے اندر داخل ہوا جہاں کئی مرد پہلے ہی جمع تھے۔پرنٹر کا شور اور سیاہی کی خوشبو بھی۔آس پاس کتابوں کی کئی اور دکانیں بھی تھیں۔

کاؤنٹر کے پیچھے کھڑا بڑی بڑی مونچھوں والا شخص غالباً ریاض تھا۔نیا لڑکا آتے ہوئے دیکھ اس نے اپنے ایک لڑکے کو اشارہ کیا جسے سمجھ کر اس نے سر ہلا دیا۔

"ریاض بُک ایجنسی میں خوش آمدید،کہیے جناب ہم آپ کی کیا مدد کر سکتے ہیں؟"

اسلان آگے آیا۔اس کی نگاہیں سیدھ میں جمی ریاض کی آنکھوں میں گڑھ رہی تھیں۔"وہی مدد جو آپ کرتے ہیں اور کر سکتے ہیں۔"

"آپ خود لکھاری ہیں یا پھر کسی عزیز کے لیے تشریف لائے ہیں۔ مسودہ، تفصیل، یا نراسب

تفصیل سے بتائیں۔" وہ مسکراتے ہوئے اسے یقین دلانا چاہ رہا تھا کہ ریاض بُک ایجنسی میں واقعی کتابیں شائع ہوتی ہیں جی بالکل اور ہم الو کے پٹھے ہیں۔"آپ اندر تشریف لے جائیں باقی کی تفصیلات ہم طے کر لیتے ہیں مسودہ اگر قابل اشاعت ہوا تو۔۔۔۔۔۔" وہ بولتے بولتے رک گئے۔اسلان نے ایک پھولا ہوا خاکی لفافہ جیب سے نکال کر ان کے سامنے رکھا اور ذرا سا آگے ہو کر سرگوشی کی۔

"مجھے خرگوش بہت پسند ہیں۔"

خاکی لفافہ اور وہ ذو معنی سطر۔وہ ایک پل کو تھم گیا۔غیر قانونی مہاجر کو سفری دلالوں کی زبان میں "خرگوش" کہتے ہیں۔کیونکہ وہ زیر زمین مختلف راستے بناتا ہے اور غیر قانونی مہاجر کسی کے بنائے ہوئے راستوں پر خرگوش کی طرح چھپ چھپ کر چلتا ہے۔ریاض کے اشارے پر ایک آدمی آگے آیا اور اسلان کا بازو پکڑ کے اسے دکان کے اندرونی حصے کی طرف لے گیا۔دیواروں پر جابجا پوسٹرز لگے تھے جن پر مختلف ممالک کی تصاویر لگی تھیں۔روزگار کے مواقعوں کی یقین دہانی اور ہر طرح کے سہانے خواب۔اسلم اسے اندر لایا دروازہ بند کیا اور اسے دیوار سے لگایا۔آنکھوں میں کرختگی تھی۔

"کون ہے تُو؟ کس مقصد سے آیا ہے پولیس والا ہے؟"

"شکل سے پولیس لگتا ہوں؟" وہ اپنے ازلی سپاٹ انداز میں بولا پھر ایک جھٹکے سے خود

کو چھڑوایا۔اسے لوگوں کا خود کو چھونا سخت ناپسند تھا۔"جتنے پیسے چاہئیں اس سے دگنے دوں گا۔وہ کام کرو جو تم کرتے ہو۔"

"کیا کرتے ہیں ہم؟"

اسلان دیوار کے ساتھ لگی کرسی پر آ کر بیٹھا۔ ٹھنڈی ٹھار نظروں سے اسے دیکھا۔"لوگوں کی ڈنکی لگواتے ہو، کامیابی کے پچاس فیصد کے دعوے دار ہو تم، رقم کی فکر مت کرو مجھے میرا کام جلدی چاہیے۔" وہ رکا۔"میرا کیس تمھارے بس کا نہیں اپنے باس کو بھیجو۔" اسلان یمن نے تحکم سے کہا۔ اسلم چند لمحے چُبھتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھتا رہا پھر دروازہ کھول کر باہر نکل گیا کچھ دیر بعد وہ واپس آیا تو ریاض کے ساتھ دو اور لڑکے بھی آ رہے تھے۔

"اس کی تلاشی لو۔" ریاض نے آتے ہی حکم صادر کیا۔"اگر تم سے کوئی خفیہ کیمرہ یا ریکارڈنگ ڈیوائس نکلی تو اچھا نہیں ہو گا۔" اس نے انگلی اٹھا کر اسلان کو دھمکی دی۔ موبائل کی کھلی ہوئی سکرین پر ایک نمبر چمک رہا تھا۔ یہاں کوئی مشکوک حرکت نکلی اور یہاں وہ اس نمبر سے رابطہ کرے گا۔ تلاشی لی گئی مگر ایک اور لفافے کے علاوہ اس کے پاس سے کچھ اور نہیں نکلا۔ ریاض اس کے سامنے آ کر بیٹھا۔ اب اداکاری بے کار تھی وہ ان کے متعلق جانتا تھا۔ ان کے متعلق جاننے والے بہت لوگ تھے لیکن یوں منہ اٹھا کر کوئی نہیں آیا کرتا تھا۔

"رپورٹر ہو، پولیس سے ہو یا پھر وکیل؟"

اسلان نے شانے اچکائے۔"اسلان شجاع یمن، بس یہی تعارف ہے میرا۔"

"ریفرنس؟" ریاض احمد گھاک آدمی تھا۔ جانتا تھا غلط پکڑا جائے تو اسے چھپایا نہیں جاتا غلط کے صحیح اصول سامنے لائے جاتے ہیں۔"ٹھیک ہے تم سے کسی نے کہہ دیا ہو گا کہ ریاض احمد یعنی میں استغفر اللہ لوگوں کو ڈنکی لگواتا ہے اور اگر یہ سچ ہے تو تم اتنا جانتے ہو گے کہ ایسا کام ہم یونہی ہر کسی کے لیے نہیں کریں گے ریفرنس کیا ہے؟"

"ریفرنس سے تمہارا تعلق کس چیز سے ہے؟ پیسے کا، درست؟ پیسہ میں دے رہا ہوں جتنا چاہیے اتنا دے رہا ہوں اس سے دگنا بھی دے سکتا ہوں۔ لاہور سے یورپ بس صرف یہ کام ہے۔" وہ ہاتھوں کو باہم باندھے آگے کو ہوا۔"میری ایک شرط ہے مجھے اس قافلے کے ساتھ جانا ہے جو پچیس فروری کو جا رہا ہے۔ نہ میں کوئی افسر ہوں، نہ وکیل اور نہ جاسوس۔"

ریاض کے چہرے کی رنگت لمحے کے ہزارویں حصے میں سیاہ پڑی۔ یہ پہلی بار ہوا تھا کہ وہ کچھ بول نہیں سکا۔ وہ پچیس فروری والے قافلے کے متعلق بھی جانتا تھا؟

"کون ہو تم؟" اب کی بار سختی سے استسفار کیا۔ البتہ آواز اب ویسی کڑک نہیں تھی۔ وہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا تھا۔

"اسلان یمن۔" رٹا رٹایا جواب۔

"جب اتنا پیسہ ہے تو ڈنکی مارنے کی کیا نوبت آ گئی ہے؟ پیسہ دو میرے کئی جاننے والے ہیں، سیدھے صاف راستے سے بھیجیں گے خرگوش بننے کی کیا تُک ہے؟"

"سیدھا صاف راستہ سرکار کو میرا ریکارڈ دے گا اور میرا خاندان اس ریکارڈ کے ذریعے میرے پیچھے آئے گا۔ مجھے اپنا ہر نشان مٹا کر کہیں غائب ہونا ہے۔" اس نے تفصیلی جواب دیا۔ "میں غائب ہونا چاہتا ہوں ایسے کہ کوئی میرا نام و نشان نہ ڈھونڈ پائے۔"

"اول تو میں ایک عام سا ناشر ہوں اور دوئم اگر تمھارے نزدیک میں کوئی ٹریول ایجنٹ ہوں اور لوگوں کو ڈنکی کے ذریعے ملک کے باہر بھجواتا ہوں تو ریفرنس لاؤ۔ اگر کسی پکے آدمی کا ریفرنس آ گیا تو میں تمہارا کام کر دوں گا۔ ورنہ تم مجھے دوبارہ یہاں نظر بھی آئے تو بہت برا ہو گا۔ پولیس میں میرے بڑے تعلقات ہیں ایسی دفعات لگوا کر اندر کرواؤں گا کہ ضمانت بھی نہیں ہو گی۔"

وہ ظاہر نہیں کر رہا تھا لیکن اعتماد اور بے نیازی کا وہ خول جو وہ چڑھا کر آیا تھا وہ چٹخ رہا تھا۔ ریفرنس؟ یعنی تعلق۔۔۔۔۔ وہ تعلقات سے ہی تو بھاگ رہا تھا۔

"تمہارا مقصد پیسہ ہے میں دگنا، تین گنا بھی دے سکتا ہوں۔" اس کے لہجے میں زور شامل ہوا۔ ریاض کے کندھے چوڑے ہوئے یہ بچہ محض پیسے کے دم پر آیا تھا۔ ہاہ۔

"دھندے کا اصول ہوتا ہے۔ اصول تو پھر اصول ہوتا ہے۔"

"میں پیسہ۔۔۔۔۔۔۔"

"پیسہ اگر زیادہ ہے تو غرباء کی فہرست میں تمھیں بھیج دیتا ہوں۔ لیکن اصول نہیں ٹوٹیں گے ریفرنس لاؤ، کاغذات لے جاؤ۔" ریاض نے کہتے ہوئے اپنے لوگوں کو اشارہ کیا وہ تیزی سے آگے آئے اور اسلان کو بازوؤں سے پکڑ کر اٹھایا۔ وہ بغیر مزاحمت کے اٹھ گیا۔ لیکن کندھے اکڑے ہوئے تھے۔ لب بھینچ گئے۔

"میں ریفرنس لے آؤں گا میری جگہ تمہیں رکھنی ہو گی۔" جاتے جاتے وہ تنبیہہ کرنا نہ بھولا۔ البتہ اس کے پاس ایسا کوئی شخص نہیں تھا یہ الگ قصہ ہے۔

★★★★★★★★★★★

عورت کتنے ہی لمحے یقینی سے اس قصہ گو کو تکتی رہی۔ سانس جیسے آ اور جا رہا ہو اسے کہانی کے "اس" کردار سے "یہ" امید نہیں تھی۔

"اسلان کیا کر رہا تھا؟ اپنے ہی خاندان کو بغیر بتائے وہ یہ سب کیوں کر رہا تھا؟"

مرد نے گہری سانس لی اور جھک کر فرش پر پڑے کاغذات اٹھانے لگا۔ "جو زخمی ہوتا ہے وہ پہلے زخم دیتا ہے زخمی ہوتا رہتا ہے مگر کچھ لوگ ہوتے ہیں جو زخمی ہو کر تھک جاتے ہیں اور جائے فرار اختیار کرتے ہیں۔ دنیا کی نظروں سے اوجھل ہونے سے بہتر فرار کیا ہو سکتا ہے؟"

"یہ تو سیدھا سیدھا suicide attempt ہے۔ کوئی اس حد تک کیسے جا سکتا ہے؟"

"کسی کے ضبط، صبر اور امتحان کی حد کوئی اور کہاں جان سکتا ہے؟"

"یہ بے وقوفی کی انتہا ہے۔"

مرد ہنسا۔ "یہ ذہانت کی انتہا ہے۔" اس کی آنکھوں میں الوہی چمک آئی۔ "صحیح کام کرنے والوں کی ذہانت کو سراہا جاتا ہے ٹھیک، درست۔" سر ہلا کر سراہا۔ "لیکن غلط کام کو غلط طریقے سے پرفیکشن سے کرنا یہ بھی تو ذہانت

ہے۔ہم ذہانت کو ہمیشہ درست کام سے کیوں نتھی کر دیتے ہیں؟"

"تم کیا کہنا چاہتے ہو کسی کرمنل کا بہترین ڈاکہ، کسی سیریل کلر کا اپنے پیچھے نشان نہ چھوڑنا ذہانت ہے؟"

زمین پر پنجوں کے بل بیٹھے مرد نے گردن اثبات میں ہلائی۔ "بالکل یہ ذہانت ہے۔"

"ڈسگسٹنگ۔" عورت منہ ہی منہ بڑبڑائی۔ مرد محض مسکرایا۔

★★★★★★★★

ایک ہفتہ قبل پنڈی کی ان گلیوں میں جاتے ہوئے وہ کئی ایک جگہ رکا تھا۔ کہیں سے بھٹہ کھایا، کسی ڈھابے سے رک کر چائے پی، کہیں رک کر ونڈو شاپنگ کی اور کہیں سے آٹھ سو کا سوئیٹر پانچ ہزار میں خریدا۔ وقت کو بدلتے بس ذرا سا ہی وقت لگتا ہے آج ایک ہفتہ بعد وہ دو دن کا بھوکا گلیوں میں بغیر رکے سمت کا تعین طے کیے بنا چلے جا رہا تھا۔

"مجھے اب بھی لگتا ہے کہ وہ سب ایک نری بکواس تھی۔" آٹھ سو کا سوئیٹر پہنے بقیہ چار ہزار دو سو اپنے پرس میں اڑسنے والی لڑکی بس ایک وہی تھی جسے وقت نے نہیں بدلا۔ وہ اس کے ساتھ ساتھ قدم اٹھا رہی تھی۔ وہ اس کے ساتھ دو دنیاؤں کا سفر کر سکتی تھی۔ "اور اگر تمھیں ایجنٹ کو کچھ ایسا دینا ہے جس سے کیس کا رخ بدل جائے تو وہی ڈرامائی جملہ سنا دو جو اس لڑکے نے سنایا تھا۔"

"پچھلی بار شاید میں نے تمہاری باتوں پر دھیان نہیں دیا اس بار چپ رہنا میرا میٹر ویسے ہی گھوما ہوا ہے۔" چھوٹے سے دروازے کے باہر رک کر اس نے دروازہ بجایا، پستول شال کے اندر چھپے بازو میں ڈھانپ لی۔ آج اس عورت کی بکواس بھی نہیں سننی۔

"اس بار کوئی ہدایات نہیں دو گے؟" مدیحہ نے آستینیں چڑھاتے ہوئے ہلکی سی سرگوشی کی۔

"اس بار چارج میں لے رہا ہوں تم فالو کرنا۔" وہ ٹھنڈے انداز میں بولا۔

"تمھارے مورلز کا کیا ہوا؟"

"جہنم میں گئے۔"

"ہنہہ جیسے ....." ابھی وہ کچھ کہتی کہ دروازہ کھلا اور گھر کے اندر سے کوئی سترہ اٹھارہ برس کی لڑکی نظر آئی اس کے عقب میں وہی عورت تھی جو پہلی بار نظر آئی تھی۔ ہاتھ میں برش اور کندھے پر تولیہ ڈالے غالباً وہ نہانے جا رہی تھی۔ دو انگلیوں کے درمیان مسواک دبا تھا، دانتوں کی صفائی جاری و ساری تھی۔

"تو فیر آ گیا ایں؟ ناں تو دس دے میرے پتر دی جان لے کے منڑاں اے؟ (تم پھر آ گئے ہو؟ نہیں آج تم بتا دو میرے بیٹے کی جان لے کر ہی مانو گے؟)"

شاہ زید نے دروازے کے پٹ چوپٹ کھولے اور پستول کی نال لڑکی کے ماتھے پر رکھی۔ عورت تھم گئی، مسواک والا ہاتھ پہلو میں گرا۔ مدیحہ کو جیسے چالیس والٹ کا جھٹکا لگا۔ شاہ زید نے معذرتی انداز میں اسے دیکھا۔ بنا آواز کے اس کے لب پھڑپھڑائے "اٹس پرسنل!" وہ جو پہلی بار یہاں آتے ہوئے کسی عورت کے ساتھ زور آزمائی کے حق میں نہیں تھا آج ایک کمسن لڑکی کے اوپر بندوق تانے ہوئے تھا۔ وقت اگر بدلا تھا تو بہت تیزی اور سفاکی

سے۔

"پنج منٹ تے پنجاہ ہزار ڈیل اوہی اے، اصول وی اوہی۔ نتائج بدل گئے نے۔ گل تے میں کرنی اے تُو راضی ہوویں یا نہ ہوویں میری جوتی نوں وہ فرق نئی پیندا (پانچ منٹ اور پچاس ہزار ڈیل وہی، اصول بھی وہی نتائج بدل گئے ہیں۔ بات تو میں نے کرنی ہے تم راضی ہو یا نہ ہو میری جوتی کو بھی فرق نہیں پڑتا۔)" شاہ زید اسی کی طرح بولا۔

عورت جو متحیر سی کھڑی تھی اس نے بہ دقت گردن ہلاتے ہوئے اجازت دی۔ شاہ زید نے سر کو خم دیا اور پستول ہٹالی۔ کچھ دیر بعد وہ دونوں دوبارہ اسی کمرے میں تھے۔ یہاں، اس کمرے میں وقت سست رفتار تھا۔

شکیل کو جب اندر لایا گیا تو وہ پچھلی بار کی نسبت ڈرا ہوا الگ رہا تھا۔ زید کے سامنے بیٹھتے ہوئے اس پر کپکپی طاری

ہوئی۔وہ دونوں بازو سینے کے گرد باندھے دانتوں پر دانت جمائے اپنے خوف کو کم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ دبلا پتلا نوجوان عجیب سے خوف میں مبتلا تھا۔

"وہ عورت ہے تمھیں یہ کیسے معلوم ہوا؟"

شکیل کی کپکپاہٹ بڑھ گئی۔ ہاتھ، بازو، پیر ہر طرف خون ہی خون نظر آنے لگا۔ وہ سیاہ آنکھیں، وہ دہشت اس کی آنکھوں میں بہت کچھ بدل رہا تھا۔ وہ آج تک اسے بھولا کب تھا؟

"اگر تم آرام سے بتا دو تو آسانی رہے گی مجھے بار بار تمھارے پاس نہیں آنا پڑے گا لیکن اگر تم اس طرح کرتے رہے تو ہم دونوں کے لیے مشکل بڑھ جائے گی۔" زید آگے ہوا، اس کے گھٹنے پر ہاتھ رکھا۔ لمس میں کوئی رعایت نہیں تھی۔

شکیل ہذیانی انداز میں چیخنے لگا تھا۔ خون، خون، خون اسے ہر طرف ہر کہیں خون نظر آرہا تھا۔ اسے برہان کی ادھ کٹی ہوئی گردن اور خوف سے پھیلی ہوئی آنکھیں دکھائی دے رہی تھیں۔ اس پر دیوانگی طاری ہونے لگی۔

"تعاون کرو دیکھو میں بہت بڑے مسئلے میں ہوں میرا چھوٹا بھائی وہ بہت معصوم ہے اس کا کوئی قصور نہیں۔ وہ تو برہان کی طرح کرپٹ بھی نہیں وہ مرنا ڈیزرو نہیں کرتا پلیز۔۔۔۔۔۔"

"جاؤ۔۔۔۔ نکل۔۔۔۔ جاؤ۔۔۔۔ جہنم میں جاؤ۔۔۔۔ وہ تم سب کو مارے گی کسی کو نہیں چھوڑے گی جاؤ۔۔۔۔" کانوں پر دونوں ہاتھ رکھے وہ حلق کے بل چیخ رہا تھا۔ اس کی ماں دوسرے کمرے میں بیٹھی ان پیسوں کو گن رہی تھی جو زید کی طرف سے ملے تھے۔ باپ باہر صحن میں کسی کونے میں نشے کی زیادتی سے بے ہوش ہو رہا تھا۔ غلط کاموں میں مبتلا لوگ کہاں درست زندگی گزار پاتے ہیں؟

زید کے صبر کی انتہا ہو گئی تھی وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور پستول شکیل کی گردن پر رکھی۔ ایک

ہاتھ سے اس کی گُدی پکڑ کر اس کا چہرہ اونچا کرتے ہوئے وہ شکیل کے کان کے پاس غرایا۔

"اگر دو منٹ کے اندر اندر تم نے مجھے وہ سب نہیں بتایا جو تم جانتے ہو تو یہیں تمہارا کام ختم کر دوں گا اور مجھے افسوس بھی نہیں ہو گا۔"

"زید پاگل ہو گئے ہو؟" مدیحہ نے اس کا بازو پکڑ کر اسے ہٹانا چاہا مگر وہ ہاتھ جھٹک چکا تھا۔ "زید وہ پہلے ہی ذہنی مریض ہے پاگل مت بنو۔"

اس سے پہلے کہ وہ پیچھے ہٹتا اس کی گردن لڑھک کر گری اور شکیل ہوش و خرد سے بے گانہ ہو گیا۔ زید تنفر سے سر جھٹکتے پیچھے ہوا جی تو چاہ رہا تھا کہ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے مگر خود پر اور پستول پر ضبط کا ڈھکن چڑھائے رکھا۔ اس کا دماغ کھول رہا تھا۔ فشار خون تیز تر ہو گیا۔

"تم پاگل ہو گئے ہو تمہارا بھائی خطرے میں ہے تو اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ تم لوگوں پر چڑھ دوڑو اور اگر تمھیں یہی جہالت دکھانی تھی تو مجھے ساتھ کیوں لائے؟"

وہ خون آشام نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بالکل چپ کھڑا تھا۔ جسم کارواں رواں غیض سے لرز رہا تھا۔

"اب چلو یہاں سے ورنہ۔۔۔۔"

"میں کہیں نہیں جا رہا۔ یہ اگر دس بار بے ہوش ہوا میں دس بار اس کے سر پر کھڑا رہوں گا جب تک یہ سچ سچ نہیں بتائے گا میں یہاں سے کہیں نہیں جا رہا۔" وہ پستول انگلیوں میں گھماتے ہوئے اس کے سامنے والے صوفے پر آ کر بیٹھا۔ مدیحہ لب بھینچ کر رہ گئی۔

"جنس عورت، لمبے بال، سیاہ آنکھیں، اونچا عہدہ، شہر لاہور۔"

آواز پر ان دونوں نے پلٹ کر دیکھا دروازے پر وہی لڑکی کھڑی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک پرچہ تھا۔ شاہ زید تیزی سے آگے آیا اور جھپٹنے کے انداز میں اس کے ہاتھ سے پرچہ لیا۔ وہاں کئی خاکے تھے۔ کہیں پشت پر لمبے بال تھے، کہیں سیاہ آنکھیں، کہیں کوئی تخت، کوئی کرسی، کہیں لاہور شہر کی کوئی عمارت اور کچھ نہیں۔۔۔۔۔ اور کچھ بھی تو نہیں تھا۔ یہ خاکے اتنی نفاست سے بنے تھے کہ وہ چند پل کے لیے ٹھہر گیا۔

"وہ صرف یہی جانتا ہے۔ شکیل صرف یہی جانتا ہے اگر اسے کچھ اور پتا ہوتا تو وہ اسے بھی بنالیتا اسے اور کچھ نہیں پتا۔" وہ روئی روئی سی آنکھیں لیے منت کے انداز میں کہہ رہی تھی۔ "آپ کو اپنا بھائی معصوم لگتا ہے اور میرا بھائی جھوٹا؟ آپ کو غلط لگتا ہے صاب۔ اسے دورے پڑتے ہیں وہ جب جب اس سب کو یاد کرتا ہے اسے دورے پڑتے ہیں۔ اسے بخش دو۔ میرے بھائی کی جان بخش دو۔"

زید نے کاغذ مٹھی کے درمیان دبوچے، مدیحہ کو ایک اشارہ کیا اور اگلے کئی لمحوں میں وہ

دونوں پنڈی کے اس چھوٹے سے محلے سے باہر جا رہے تھے۔ جو تھا جتنا تھا کافی ہوا۔ وہ اپنے اندر کے انسان کو جتنا مار سکتا تھا اتنا مار لیا، اب بس۔ ہوش کے لمحوں میں آتے ہی اسے اندازہ ہوا وہ غلط تھا۔

مگر ایجنٹ اب سر کے بل آئے یا اسے گھسیٹ کر لانا پڑے شاہ زید طلال بنگش اسے لائے گا۔

★★★★★★★★★★★

سادات ایک نجی لاء فرم کا نام ہے جہاں عالمگیر یمن نے اپنی وکالت کی شروعات کی تھی۔ سفید سرمئی امتزاج کے ماربل پر اپنے مضبوط قدم دھرتا وہ تیز تیز ڈگ بھرتا گراؤنڈ فلور سے جلدی چلے جانا چاہتا تھا کئی ایک نے رک کر اس سے احوال پوچھا، کئی ایک نے کانوں میں کھسر پھسر شروع کر دی، وہ ہر کسی سے بظاہر بے نیاز لفٹ تک آیا۔ جہاں پہلے ہی دو لوگ موجود تھے۔ عالم نے مطلوبہ بٹن دبائے اور اگلے ہی لمحے لفٹ چل پڑی۔ اس کا دماغ جیسے کھول رہا ہو۔ وہ بار بار مٹھی بند کرتا پھر کھول لیتا، بالوں میں ہاتھ چلا کر انہیں پیچھے کرتا اور گہرے سانس بھرتا۔ سہر اب نے اس کے تن بدن میں آگ ہی آگ بھر دی تھی۔ ایک دو بار اس کا جی چاہا اپنے کام پر لعنت بھیج کر گھر جائے اور اپنی بھتیجی کا دماغ درست کرے۔ پھر خود پر ضبط کر گیا۔

"ٹرپ کیسا رہا، عالمگیر؟" وہ چہرہ سیدھ میں رکھے لفٹ کے رکنے کے انتظار میں تھا لیکن شاید لوگوں کو عالمگیر خاموش پسند نہیں تھا سو اس کے بٹن دبا دبا کر اسے بولنے یعنی آگ اگلنے پر مجبور کرتے رہتے تھے۔ "اب تو ہیٹ ٹرک بھی ہو گئی ویسے تم ہیٹ ٹرک کے کافی شوقین معلوم ہوتے ہو۔" فصیح صاحب مہنگے داموں کے وکیل تھے

اور عالم سے ان کی ان بن کچھ نئی نہیں تھی۔ وہ ذو معنی انداز میں کیا کہہ رہے تھے عالم سمجھ رہا تھا۔ "جیل کے تین چکر، تین بیویوں کا قتل۔"

"ٹرپ بہترین رہا۔" وہ مڑا اور خوش مزاجی سے جواب دیا۔ "تین دفعہ جیل چلا گیا ہیٹ ٹرک بھی ہو گئی اور جس دوسری ہیٹ ٹرک کی آپ بات کر رہے ہیں، میں سوچ رہا ہوں اس میں کچھ ردو بدل کیا جائے۔" ایک انگلی ٹھوڑی پر رکھے وہ کچھ سوچنے لگا۔ "سنا ہے آپ اپنی بڑی بیٹی کے لیے رشتہ ڈھونڈ رہے ہیں مجھے نظر میں رکھیے گا ہیٹ ٹرک کا ریکارڈ توڑنا ہے۔" آہ عالم آہ۔ بے لگام آدمی۔

فصیح صاحب کا چہرہ سرخ ہوا اور باقی دو نے بمشکل اپنی مسکراہٹ روکی۔ توبہ، استغفار عالمگیر سے وہ بات کرے جسے عزت عزیز نہ ہو۔ "تم بہت بدتمیز ہو، عالم۔" وہ غرائے۔

"جیل میں مجھے اخلاقیات کے درس پڑھانے والا کوئی نہیں تھا۔ اسی لیے آپ کی بیٹی کا ہاتھ مانگ رہا ہوں۔"

فصیح صاحب سرخ چہرے کے ساتھ بڑبڑا کر رہ گئے۔ آتے ہی وہ ارد گرد کے لوگوں کا دماغ

درست کرنا شروع کر چکا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ آخری منزل پر واقعی اس فرم کے مالک جواہر سادات کے دفتر میں موجود تھا۔ گہری سیاہ دیواروں پر کئی ایک سفید پینٹنگز ٹنگی تھیں۔ ایک طرف کتابوں کا ریک تھا جس میں وکالت کی موٹی موٹی کتابیں پڑی تھیں۔ دیوار کے ساتھ کرسی اور میز۔ کمرے کے وسط میں ایک لمبی میز بھی رکھی تھی جس کے اطراف میں کئی کرسیاں رکھی تھیں۔ غالباً یہ جگہ آج کل کانفرنس روم کے لیے بھی استعمال ہو رہی تھی۔

"تمھیں واپس یہاں دیکھ کر مجھے کتنا اچھا لگ رہا ہے، عالم۔" کرسی پر بیٹھا آدمی ساٹھ کے ہندسے کو چھو رہا تھا۔ داڑھی اور بالوں میں اب چاندی اتر آئی تھی۔ سیاہ سفید کوٹ پینٹ میں وہ اچھا لگ رہا ہو یا نہیں امیر اور با رعب ضرور لگ رہا تھا۔ "اس بار تم دیکھنا میں تمھیں کسی بھی مسئلے میں پڑنے سے پہلے ہی بچا لوں گا۔ تم سادات سے ہو اور سادات تم سے۔"

گلاس وال کے باہر پھیلتی نارنجی شام کی روشنی عالم کے داہنے رخ پر پڑ رہی تھی۔اس کی نگاہوں میں کوئی گِلا تھا۔ ”لگتا تو مجھے بھی یہی تھا کہ میں سادات سے ہوں اور سادات مجھ سے لیکن اب لگتا ہے شاید میں غلط سوچتا رہا ہوں۔ تین سالوں میں میں تیسری دفعہ جیل گیا ہوں۔“ اس نے تین انگلیاں دکھائیں ماتھے پر بل تھے۔ ”میری ساکھ خراب ہو رہی ہے۔ میری ساری جمع پونجی ان مقدموں پر لگ رہی ہیں اور میری بیٹی۔۔۔۔۔۔“ یہاں آکر وہ رک گیا۔ جیل سے کی جانے والی ہر ایک کال یاد آنے لگی جب اسے اپنی ہی بیٹی سے بات کرنے کے لیے ایک متعین کردہ وقت دیا جاتا تھا۔ اس وقت میں وہ کیا کہے اور کیا سنے؟ ”اس سب میں میرا اور میری بیٹی کا تعلق متاثر ہو رہا ہے۔ یہ وقت میں اس کے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں کسی جیل میں نہیں۔“

”اس سب میں میرا یا سادات کا کیا قصور ہے، عالم؟“ جواہر کے چہرے پر برہمی در آئی۔ ”کیا میں نے تم سے کہا تھا اپنی تین تین بیویوں کا قتل کرو؟“

”ان سب کا یہاں کیا ذکر؟“ عالم بگڑا۔

”ان کا ذکر کیسے نہیں آئے گا۔ تم جب تک زندہ ہو جہاں جہاں جاؤ گے یہ ذکر تو آئے گا اور تم کیا بات کر رہے ہو کہ سادات تمھارے پیچھے نہیں کھڑا رہا، یہ سادات ہی ہے جس کی وجہ سے کوئی تمھیں لمبے ٹرپ پر نہیں بھیج رہا اور یہ بھی سادات ہی ہے جس کے لیے تم نے پچھلے ڈیڑھ سال سے کوئی مقدمہ نہیں جیتا لیکن وہ پھر بھی تمھیں سپورٹ کرتا ہے۔ فنانشلی بھی اور ایموشنلی بھی۔“ عالم نے سر جھٹکا۔ جواہر بھی دھیمے پڑے۔

”تم بہت قابل ہو، عالم۔ لیکن یہ بچوں والی باتیں چھوڑ دو کہ ہم تمھارے پیچھے نہیں کھڑے۔“

”کھڑے ہوتے تو چھ ماہ میں۔۔۔۔۔۔“

”چار ماہ۔۔۔“ انہوں نے انگلیاں دکھا کر اس کی درستگی کی۔ انداز میں کوئی جتاتا تاثر تھا۔ ”کریکٹر سے نکل آؤ عالم۔ چار ماہ اور دو دن۔ اس کے بعد میں نے تمھارے اصل ٹرپ کو بھی اسپانسر کیا حالانکہ نہ میں نے تمھیں گود لیا ہے اور نہ ہی تم میرے باپ ہو۔“ باس نے اپنا ازلی جاہ و جلال دکھایا۔ وہ کس ٹرپ کی بات کر رہے تھے، چار ماہ کا کیا قصہ ہے یہ حساب پھر سہی۔ ”لیکن تم اور میں یہاں لڑنے کے لیے نہیں بیٹھے تم نے اس فرم کے لیے جو تیاں

گھسائیں ہیں میں مانتا ہوں اور قدر بھی کرتا ہوں۔ میں نے تمھیں کبھی ایک ماتحت نہیں سمجھا۔ اگر میرا کوئی بیٹا مجھ پر گیا ہوتا تو وہ تمھارے جیسا ہوتا۔"

"اور وہ جو تین بیٹے آل ریڈی ہیں ان کی جنس بدلنے کی عرضی دے آئے ہیں آپ؟" وہ اب بھی خفا خفا تھا۔ جواہر صاحب نے مسکراہٹ دبائی۔

"وہ تینوں مل کر بھی عالمگیر نہیں بن سکتے۔ بدبخت ایک بھی کامیاب وکیل نہیں بن سکا۔ جی تو چاہتا ہے چوک پر کھڑا کر کے سب کو سو سو کوڑے ماروں۔"

"یار آپ پہلے میرا مسئلہ حل کریں۔" عالم اس داماد کی مانند تھا جو جہیز میں ٹرک بھر کر سامان لے گیا اور اب اسے آلٹو گاڑی کا نیا ماڈل چاہیے تھا۔ جواہر صاحب وہ سسر جن کو بیٹی سے زیادہ داماد عزیز تھا۔ اب آلٹو تو آئے ہی آئے۔

"مسئلہ بتاؤ۔" وہ ہمہ تن گوش ہوئے۔

عالم کرسی سے اٹھا اور ان کے سامنے میز پر آ کر بیٹھا۔ انداز میں عجلت اور بے تکلفی سی تھی۔ "اول تو آپ یہ کریں کہ میرے لیے کل تک ایک تگڑا مقدمہ ڈھونڈ کر رکھیں جس سے پیسہ بھی آئے اور عالمگیر لوگوں کی نظروں میں بھی آئے اور دوسرا۔۔۔۔" وہ ایک پل کو رکا، چہرے اور داڑھی پر ہاتھ پھیرا۔ "مجھے اس روز روز کی گرفتاریوں سے نکلنے کا حل بتائیں۔ نہ یہ کوئی اتفاق ہے اور نہ کوئی جرم۔ کوئی مجھے بار بار فریم کر رہا ہے کون یہ آپ پتا لگائیں گے۔"

"ایک شرط۔"

"قبول ہے۔" وہ جھٹ سے بولا۔

"پہلے شرط تو سن لو۔"

"مجھے چوتھی شادی کرنی پڑی تو بھی قبول ہے آپ بس میرا کام کریں بدلے میں عالمگیر ہر وہ کام کرے گا جو آپ کو خوش کرے۔"

جواہر صاحب نے تاسف سے نفی میں سر جھٹکا پھر اس کے کندھے پر دھپ رسید کی۔ "کس کے لیے کر رہے ہو یہ سب؟ جہاں تک مجھے یاد ہے تمھیں اپنی ذات پر لگتے دھبوں سے فرق

نہیں پڑا کرتا تھا۔" غور سے اسے جانچا، نتائج غیر حتمی غیر سرکاری۔

عالمگیر کی رنگت تھوڑی پھیکی پڑی۔ گلے میں گلٹی ابھر کر معدوم ہوئی اور جب وہ بولا تو اس کی آواز میں بہت کچھ تھا، سب سے اول درجہ ایک باپ کی اپنی بیٹی کے لیے فکر تھی۔

"عبیر عالمگیر۔ میری ذات کی مثبت تبدیلیوں کی واحد وجہ!"

ہاتھوں پر تین اقتال کے الزام لیے اسے پرواہ تھی تو اپنی بیٹی کی۔ صرف اور صرف اسی کی۔

★★★★★★★★★★★★

"تم ایک بار پھر مجھے گھمانا چاہتے تھے لیکن میں وہیں اٹکی ہوں۔" تیز ہوا سے کھڑکی کھل گئی تھی۔ سرد ہوا کے تھپیڑے چہرے پر تھپڑ کی مانند لگ رہے تھے۔ وہ بار بار چٹخنی لگانے کی کوشش کرتی مگر ہوا کے باعث نہ لگا پاتی۔ کھڑکی پر جمے اس کے پتلے نازک ہاتھ برف ہو رہے تھے اور ناک سرخ۔

"تم بہت ڈھیٹ ہو جہاں جم گئیں وہاں سے ہٹتی نہیں۔" وہ اس کے عقب میں آکر کھڑا ہوا، اس کی چوڑی جسامت کے آگے وہ چھپ گئی۔ قصہ گونے کھڑکی کے پٹ کھڑاک سے بند کیے۔ سرد ہوا کھڑکی کے پٹ سے سر پٹختے پلٹ گئی۔ یکدم عورت کے ہاتھوں کو گرمائش محسوس ہوئی۔ مرد کی نرم نگاہوں میں تقویت اتری۔

"کیا جاننا ہے؟" کھڑکی سے ٹیک لگائے بازو سینے پر باندھے اسے تکا۔

"سہراب یمن اس روز کہاں گیا تھا؟ عالمگیر کو محسوس ہوتی وہ شناسا نگاہیں کس کی تھیں؟" وہ گردن اکڑائے پوچھ

رہی تھی۔

"پہلے کیا جاننا ہے؟"

"جو تم بتانا چاہو۔"

★★★★★★★★★★★★★

"سہراب یمن اس روز کہاں گیا تھا؟"

وہ دو مختلف شہروں میں "ایک" ہی کام سے گیا تھا۔ پہلے شہر اس کی روانگی کا قصہ کہانی پر ادھار رہا اور دوسرے شہر کا قصہ زیر بیان ہے۔ ڈی آئی جی لاہور کے دفتر کے باہر لوگوں کی آمدورفت جاری و ساری تھی۔ اندر کا ماحول قدرے مختلف تھا۔ کھڑکی کے بلائنڈز ہٹے ہوئے تھے۔ ڈی آئی جی خادم بٹ صاحب وردی کے کف موڑے ہوئے اپنی کرسی پر بیٹھے سہراب یمن کو غور سے تک رہے تھے۔ ان کی وردی پر لگے ستارے، تمغے اور سینے پر لگا نام فخر سا فخر تھا جو اس آدمی کے آس پاس محسوس ہو رہا تھا۔

"نعیم نے تمہاری بہت تعریف کی ہے لیکن میں کہے سنے پر یقین نہیں رکھتا۔" سگار لبوں میں

دباتے ہوئے انہوں نے میز پر دھرا لائٹر اٹھایا۔ "اس شہر کے لاء اینڈ آرڈر کو درست کرنے میں میرے کتنے سال لگ گئے جانتے ہو؟" ان کے چہرے پر کرختگی تھی، انداز دوٹوک۔

سہراب کو یہ نظریں اپنے آر پار گڑھتی محسوس ہو رہی تھیں لیکن وہ ان نگاہوں سے بے نیاز تھا۔ خوف وہ کھائے جس کے اعمال سیاہ ہوں یا جسے سیاہ اعمالوں پر سفید چادر ڈھکنی نہ آتی ہو۔

"پولیس کی نوکری میں رشوت نہ لینے کے دعوے کرنا بڑی بات نہیں لیکن میں ایسے دعوے نہیں کرتا کیونکہ ظاہر ہے مجھے گھر چلانا ہے تم راشی ہوتے تو مجھے فرق نہ پڑتا مجھے صرف اور صرف ایک بات سے فرق پڑتا ہے اور وہ ہے قابلیت۔ اگر تم قابل ہو تو رشوت پر، اسکینڈل پر، مکاری اور عیاشی پر تمہارا حق ہے۔"

سہر اب نے سر کو خم دیا۔ ”ان میں سے کوئی بھی شے ایسی نہیں ہے جس کی مجھے ضرورت ہو۔“

”تمھیں ضرورت کس شے کی ہے؟“ سگار کو لائٹر کا شعلہ دکھاتے ہوئے پوچھا۔

”میں اپنے گھر واپس آنا چاہتا ہوں۔(سفید جھوٹ۔) یہاں میرا خاندان ہے میری بیوی، میری بھتیجی، میرا بھائی، میرا گھر۔(اور سب سے بڑھ کر میرا ادھورا جنون۔) میں اب ایک نارمل زندگی چاہتا ہوں (بس ایک ابنارمل کام کے بعد) میں اپنی ڈیوٹی پوری ایمانداری سے کروں گا (یعنی بس تھوڑی سی بے ایمانی) میری اس شہر میں موجودگی آپ کے لاء اینڈ آرڈر کو متاثر نہیں کرے گی (شاید اسے مسخ کر دے) کیا آپ مجھے ایک موقع دے سکتے ہیں؟ (ایک موقع، یعنی میرے مقصد کو پانے کا یہ آخری موقع)۔ میں آپ کو مایوس نہیں کروں گا (بس خود کو سرخرو کروں گا)“

”تمہارا ریکارڈ بہت اچھا ہے، سہر اب۔“ سگار کی راکھ شیشے کی طشت میں جھاڑتے انہوں نے کہنا شروع کیا۔ ”لیکن میرا ایک مسئلہ ہے۔ تم جانتے ہو اس شہر میں تمہارا تبادلہ کتنا مشکل کام ہے؟ تین سال پہلے تم نے جس آدمی کو قاتل ثابت کیا تھا وہ روبینہ انصاری کا بڑا بیٹا تھا۔ مقتول کا بھائی اس شہر کا سب سے بڑا کاروباری ہے اور اس کی ماں بہت جلد اقتدار میں آنے والی ہے بھلا وہ کہاں چاہے گا کہ تم اس کی حکومت میں اس شہر آؤ؟“ وہ ظاہر کرنا چاہ رہے تھے کہ یہ بات کہتے ہوئے وہ متامل ہیں مگر سہر اب قسم کھا کر کہہ سکتا تھا وہ نہیں ہیں۔ ”میں تمہاری راہیں ہموار کر سکتا ہوں اگر تم میرا ایک کام کر دو۔“

”اوکے۔“ سر کو خم دیا، ہر شرط قبول۔

”ڈیڑھ سال پہلے ایک واقعہ ہوا تھا۔ لاہور کے جوہر ٹاؤن میں چار عورتیں جو کہ طلاق یافتہ تھیں اور عورتوں کے حقوق کے لیے کام کرتی تھیں اپنے مشترکہ فلیٹ میں مردہ پائی گئیں۔“ انہوں نے سہر اب کے سامنے ایک فائل رکھی۔ کمرہ دفتر میں اب بس دو آوازیں تھیں۔ صفحات پلٹنے کی اور ڈی آئی جی صاحب کے بولنے کی۔ فائل میں چند تصاویر تھیں۔ چار عورتیں، ان کے چہروں کا کلوز اپ۔ اگلی تین تصاویر اور ان کے جلے ہوئے چہرے۔ ناقابل شناخت چہرے۔ ”سوشل میڈیا پر اچھا خاصا واویلا ہوا دو گروپس بن گئے کچھ کے مطابق وہ

عورتیں دین کے احکامات کے خلاف تھیں اس لیے ان پر عذاب آیا اور دوسرے گروپ کے مطابق وہ چار انسانی جانیں تھیں جو ضائع ہوئیں اور یہ ایک مرڈر تھا۔"

سہر اب بغیر کوئی رائے پیش کیے صفحات پلٹ رہا تھا۔ کہیں سوشل میڈیا پر جاری ہونے والے بیانات کے سکرین شاٹس تھے، کہیں تنقیدی، کہیں ہمدردانہ جملے۔

"چھ ماہ کی لمبی تفتیش کے بعد اس مقدمے کو شارٹ سرکٹ کا واقعہ قرار دیا گیا اور مقدمہ بند ہو گیا۔ لیکن ۔۔۔۔۔۔" ہر سادہ اور عام سی کہانی میں جب لیکن آجائے وہیں سے کہانی کا ایک سیاہ باب شروع ہوتا ہے اس کہانی کا سیاہ باب بھی شروع ہو چکا تھا۔ "ان چار لڑکیوں میں سے ایک لڑکی کی بہن اپنی بڑی بہن کی موت کو قتل گردانتی ہے اور وہ کسی صورت اس سے ہٹنا نہیں چاہتی۔ وہ پاکستان میں یونیسیف کے لیے کام کرتی ہے اور پچھلے ڈیڑھ سال سے اس نے اس مقدمے کو ہوا بنا کر رکھا ہوا ہے۔ ایسی زہریلی ہوا جو نہ حلق میں اتاری جائے اور جس کے بغیر زندہ بھی نہ رہا جائے۔"

سہر اب یمن کو اب یہ قصہ کچھ کچھ سمجھ آرہا تھا۔ وہ آگے سننا چاہتا تھا۔ اسے مزہ آرہا تھا۔

"ان چاروں میں سے ایک لڑکی کے پاس امریکن نیشنیلٹی بھی ہے اور تم تو بہت اچھے سے جانتے ہو امریکا خاندان کے امیر تایا کی حیثیت رکھتا ہے اس کے گھر کے کانٹے کو بھی پھول سمجھنا ہوتا ہے۔ اب ان دو کے قتل باقی دو سے بھی تو جڑے ہیں۔ دباؤ بہت ہے اور قابلیت مجھے کہیں نظر نہیں آرہی۔"

وہ صفحات پلٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا۔ کہیں وہ چاروں ایک ساتھ عورت مارچ کے پوسٹرز اٹھائے کھڑی تھیں، کہیں وہ کسی کلب میں موجود تھیں۔ کہیں حق کے نعرے بلند کرتی ہوئیں اور کہیں ہنستی مسکراتی ہوئیں۔

"کیا موجودہ حکومت چاہتی ہے کہ اس مقدمے کو میں دیکھوں؟"

"میں چاہتا ہوں کہ یہ مقدمہ تم دیکھو۔" وہ ترکی باتر کی بولے۔

"اس سب میں آپ کا فائدہ؟"

خادم بٹ کئی لمحے بغیر کچھ کہے اسے دیکھتے رہے۔ سہر اب انہیں نہیں دیکھ رہا تھا ورنہ وہ ان کی آنکھوں میں ابھرتی بے بسی بھی دیکھتا، کوئی شکوہ بھی اور رنج بھی اور شاید کسی باپ کی مجبوری بھی اور شاید ایک مقصد بھی۔

"اٹس پرسنل!" انہوں نے دو لفظوں میں بات سمیٹ دی۔ سہر اب نے اس کے بعد کچھ نہیں پوچھا۔ اس نے فائل بند کر کے میگزین ایک طرف رکھ دیا اور مکمل طور پر ان کی طرف متوجہ ہوا۔

"میرے کام کرنے کا طریقہ بہت مختلف ہے، سر۔ لاء اینڈ آرڈر میں مانتا ہی نہیں۔ اصول وضوابط میں خود طے کرتا ہوں۔ صحیح غلط کا استعمال میں مرضی کے مطابق کرتا ہوں اور رحم میرے پاس ہے نہیں۔" سہر اب نے گردن اور کرسی ایک ساتھ پھیر کر انہیں دیکھا۔ "سب سے اہم بات اگر میں کوئی کام شروع کرلوں تو اسے پورا کر کے ہی چھوڑتا ہوں۔ اس لیے میں چاہوں گا کہ آپ سوچ لیں کیونکہ یا تو میرا کام ختم ہو گا یا پھر ہر وہ چیز اور انسان جو مجھے اس کام کو کرنے سے روکے گی۔ شاید ایک وقت ایسا بھی آئے کہ میں آپ کی بھی سننا چھوڑ دوں۔"

"کام کے مکمل ہونے کی یقین دہانی کرواسکتے ہو؟"

"مستقبل کس نے دیکھا ہے؟ نہ میں کاہن ہوں جو ستاروں کا حال دیکھ کر وقت کی چال بتادوں۔ یہاں آپ اور میں دونوں بے بس ہیں۔ مجھے نہیں پتا کہ آپ میرا تبادلہ یہاں کروانے کے بعد اپنا کام کرواتے ہی مجھے یہاں سے پھینک نہیں دیں گے اور آپ کو بھی یہ یقین نہیں کہ یہاں آنے کے بعد میں آپ کا کام کروں گا یا نہیں اس لیے۔۔۔۔" سہر اب اپنی جگہ سے اٹھ کر آیا اور ان کے سامنے آکر رکا۔

"گٹ فیلنگز پر اعتبار کرنا زیادہ بہتر رہے گا۔ میری گٹ فیلنگ کہتی ہے میں اپنے گھر ہمیشہ کے لیے واپس آرہا ہوں۔"

خادم نے بہ دقت سر اثبات میں ہلایا۔

"میری گٹ فیلنگ کہتی ہے تمھارے لیے اپنی کشتیاں جلانا ایک درست فیصلہ ہے۔ ایک ہفتے کے اندر اندر تمہارا تبادلہ لاہور ہو جائے گا۔"

سہر اب اپنی جگہ سے اٹھا اور ان کے سامنے آ کر رکا۔ چند پل وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے رہے پھر ہاتھ ملایا۔ مصافحہ یعنی معاہدہ۔ ایک وقت بعد وہ دونوں اس معاہدے پر پچھتانے والے تھے۔

"شکریہ۔" سہر اب نے کہا۔ اور ایک انگلی سے فائل کی طرف اشارہ کیا جیسے اب وہ اس کی ملکیت جاننا چاہتا ہو خادم بٹ نے اجازت دے دی۔ فائل اٹھا کر وہ باہر کی طرف جانے لگا ابھی اس کا ہاتھ دروازے کے ہینڈل پر تھا جب خادم نے اسے پکارا۔

"عالمگیر یمن، وہ جو کارپریٹ لائیر ہے تمہارا بھائی ہے ناں؟" وہ جیسے کچھ یاد آنے پر بولے۔

"جی سر وہ میرا چھوٹا بھائی ہے۔" ہاتھ ہینڈل پر جمائے وہ رک گیا۔ "آپ اسے کیسے جانتے ہیں؟"

"میں جیل گیا تھا دو ماہ پہلے۔ کچھ قیدی چھوٹنے والے تھے وہ ان میں سے ایک تھا۔ میرا ایک مسئلہ تھا اس سے مشورہ کیا اور اس۔۔۔۔۔"

"سر آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔" سہر اب نے ان کی بات کاٹی۔ "میرا بھائی آج رہا ہوا ہے اور میں اس وقت اسے ہی لینے جا رہا ہوں۔"

خادم رک کر اسے دیکھے گئے۔ پھر ذرا دھیمی آواز میں بولے۔

"میں جہاں، جس نشست پر بیٹھا ہوں وہاں غلط فہمیوں کی گنجائش نہیں نکلتی۔ لیکن اگر تم کہہ رہے ہو تو ٹھیک ہے یہ واقعی کوئی غلط فہمی ہو گی۔"

خادم بٹ اب اسے نہیں دیکھ رہے تھے۔ شاید وہ جتا رہے تھے کہ سہر اب اپنی زندگی میں ایک جھول چھوڑ آیا ہے وہ اپنے کام میں اسے قبول نہیں کریں گے سہر اب یمن متحیر رہ گیا۔ کیا عالمگیر اسے دھوکہ دے سکتا ہے؟ اس کا سر سائیں سائیں کرنے لگا۔

★★★★★★★★★

نیو یارک کی ایک مصروف سی شاہراہ پر بنا یہ سٹوڈیو ان دنوں شاہ ویر بنگش کا دفتر تھا۔ سڑک پر چلتی تیز رفتار گاڑیاں، مصروف لوگ، موبائل پر نگاہیں جھکا کر چلتے ہوئے نوجوان اس کی کتھئی آنکھیں گلاس وال کے پار یہی سب دیکھ رہی تھیں۔ میز پر کئی پیپر رنگز پڑی تھیں۔ ایک کاغذ اس کے ہاتھ میں تھا جسے وہ مروڑ تروڑ رہا تھا۔ شاید ایک اور پیپر رنگ بنانے کی تیاری۔ انداز بوجھل تھا، دل بھاری۔

"شاہ ویر تمھیں نہیں لگتا یہاں امینڈا کا ردعمل بہت زیادہ دکھایا جا رہا ہے؟ دوسری شادی کے بعد بھی وہ اگر اپنے پہلے شوہر کے لیے ایسے احساسات رکھے گی تو صاف سرخ جھنڈا کہلائے گی۔" اس کی میز سے ذرا سے فاصلے پر دو اور میزیں اور کرسیاں لگی تھیں۔ لیپ ٹاپ ان کے بھی کھلے ہوئے تھے۔ وہ بغیر اس کی طرف دیکھے باہر نگاہیں جمائے ہوئے بیٹھا رہا۔ ذہن میں بہت کچھ تھا۔ پسلیوں کے درمیان کا زخم، انا را کا رویہ، ایوارڈ شو میں نہ جانے کے بعد اس کے متعلق ہونے والی چہ میگوئیاں۔ وہ چلا جاتا اگر اس کمبخت نے شاہ ویر بنگش کا چہرہ نہ بگاڑا ہوتا۔

"شاہ ویر تم سن رہے ہو؟" لیپ ٹاپ پر اپنی انگلیاں روکے انجلینا نے اب کے زور دے کر پوچھا۔ "ہم یہاں ساتھ کام کرنے بیٹھے ہیں تم کیا سوچ رہے ہو؟"

یہ تیسری دفعہ تھا کہ شاہ ویر کی غائب دماغی کی وجہ سے مسودے میں ہوتی تبدیلیاں تاویل کا شکار ہو رہی تھیں۔ وہ جب سے یہاں آیا تھا تب سے کام کرنے کی بجائے وہ اس کام میں بے زاری دکھا رہا تھا۔ کبھی پیپر رنگز بناتا، کبھی باہر دیکھتا اور کبھی بیٹھ کر اپنا محبوب کام "overthinking" کرتا۔ شاہ زید ہمیشہ اس سے کہا کرتا تھا کہ وہ زیادہ نہ سوچا کرے اور شاہ ویر پھر اس بات پر سوچتا کہ وہ زیادہ سوچنا کیسے بند کرے؟

"کیا ہم اس کو کل کر سکتے ہیں؟" لیپ ٹاپ کی سکرین گراتے ہوئے وہ اکتاہٹ سے بولا۔ "میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے کچھ سمجھ بھی نہیں آ رہی۔"

انجلینا اور ہینری چند پل اسے دیکھتے رہے پھر سر کو اثبات میں ہلا دیا۔ یہ پہلی بار تھا کہ شاہ ویر جیسا آدمی جو کہ کام کی مشین تھا وہ کام سے جان چھڑوا رہا تھا۔ وہ تینوں ایک ہی اسکرپٹ پر کام کر رہے تھے۔ یہ شاہ ویر کا پہلا کام تھا جس میں اس نے دو مزید لوگوں کو شامل کیا تھا وہ اجتماعی کام کے ساتھ اچھا یا برا نہیں تھا۔ اس وقت اس کا دور بُرا تھا۔

"سب ٹھیک ہے ناں، شاہ ویر؟" وہ لیپ ٹاپ بستے میں ڈال رہا تھا جب انجلینا کی آواز پر رکا۔ "تم ایوارڈز میں بھی نہیں آئے۔ لٹریری فیسٹیول تھا آج تم وہاں بھی نہیں گئے۔ تمھارے چہرے پر بھی کچھ ہوا ہے۔" وہ ایک لمحے کو چپ ہوئی، پھر اس کے اور دوسرے لکھاری کے درمیان کچھ نگاہوں کا تبادلہ ہوا۔ "کہیں کوئی پولیس کیس تو نہیں؟"

شاہ ویر نے مڑ کر ان دونوں کو دیکھا۔ دل اتھل پتھل ضرور ہوا مگر نگاہیں خالی رہیں۔

"اگر ہوا تو تم دونوں پولیس تھوڑی ہو؟" اس نے بظاہر مسکرا کر کہا تھا لیکن لہجے میں ٹھنڈک تھی۔ کندھے پر لیپ ٹاپ کا بیگ ٹانگے وہ باہر نکل آیا۔ لیپ ٹاپ گاڑی میں رکھا ڈرائیور سے جانے کا کہا اور خود سڑکوں پر نکل آیا۔ معاً اس کا موبائل بجا۔ گہری سانس لیتے ہوئے اس نے موبائل کان سے لگایا۔

"کدھر ہو تم؟" گاڑی پنڈی کے راستے سے اسلام آباد کی طرف ڈالتے ہوئے شاہ زید نے مصروف انداز میں پوچھا۔

"سٹوڈیو میں تھا ابھی باہر نکلا ہوں۔"

"تم حو اس میں ہو، باہر کیا کرتے پھر رہے ہو؟" زید گرجا۔

"تم چوڑیاں بھجوا دو پہن کر گھر بیٹھ جاؤں گا۔" شاہ ویر جواباً سلگا۔ کانوں میں ایئر پوڈز لگائے ہوئے تھے جن پر کال چل رہی تھی۔ دوسری طرف وہ انسٹاگرام کھول رہا تھا۔ اپنے اور آراہ کے جھگڑے کو جب تک وہ ایک کنارہ نہ دے دیتا سکون اس پر حرام تھا۔ آس پاس دکانیں، بیکریز اور شاپنگ اسٹورز تھے جو آج اس کی توجہ کھینچنے میں ناکام رہے۔ نیویارک کی زندگی دوڑ رہی تھی، جمود کا شکار محض وہی تھا۔

"تمھیں چوڑیوں کی نہیں جوتیوں کی ضرورت ہے وہ بھی لگیں سو اور گنی ایک جائے۔" مدیحہ نے ان دونوں کی بکواس سے تنگ آتے دونوں انگلیاں کانوں میں ٹھونس لیں۔ سر نشست کی پشت سے ٹکا دیا۔ "سب ٹھیک ہے ناں کوئی مسئلہ تو نہیں ہوا؟"

"مسئلہ تو ہے۔۔۔۔۔۔۔" شاہ ویر نے سانس لینے کا وقفہ لیا اور مڑ کر کوئی کافی شاپ تلاشنی چاہی۔

"کیا ہوا ہے؟" زید کا دل ڈوب کر ابھرا۔ گاڑی کے اسٹیئرنگ پر اس کی گرفت ڈھیلی پڑی۔

"آراہ اور میرا جھگڑا ہو گیا ہے۔" اس نے جھنجھلا کر اطلاع دی۔ پھر انارا طارون کی تازہ ترین پوسٹ پر رک گیا۔ دوسری طرف شاہ زید دانت کچکچا کر رہ گیا۔ "وہ مجھ سے بات نہیں کر رہی۔"

"عاشق کی اولاد دنیا میں تمہاری اس لڑکی کے علاوہ ہزار مسائل اور بھی ہیں۔"

انارا نے اپنی کچھ تصویر پوسٹ کی تھیں اور ان کے نیچے اس کے کچھ کلاس فیلو اور دوستوں کے تبصرے تھے جن میں سب سے اوپر ضارم خان تھا۔ شاہ ویر کا رقیب اول۔

"کیا لڑکی لڑکی لگا کر رکھا ہوا ہے تم نے، کتنی بار کہا ہے اس کا نام انارا طارون ہے، وہ میری ہونے والی بیوی ہے۔ تم عزت سے اس کی بات نہیں کر سکتے؟" اسے کافی شاپ نظر آ گئی تھی۔ وہ اسی طرف چلا آیا۔ ساری بھڑاس زید پر نکلی۔

"عزت کیسے دوں؟ لڑکی کو مرد بولوں؟"

"اپنی بکواس بند کرو تم۔" شاہ ویر سختی سے بولا پھر آراہ کو پیغام بھیجنے لگا مگر رک گیا۔ بیچ سڑک پر بھی اور پیغام بھیجتے ہوئے بھی۔ "یار زید میں کیا کروں؟ کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔" کافی کی دکان کے باہر رکھی بنچ پر وہ دھپ سے بیٹھا۔ "میں جان کی پرواہ کروں یا دل کی؟ کام دیکھوں یا دنیا تیاگ کر کہیں گوشہ نشین ہو جاؤں۔ سب خراب ہو رہا ہے۔i can't take it anymore"

شاہ زید نے گاڑی سے جڑے موبائل کا جوڑ توڑا۔ عام باتیں، ڈانٹ ڈپٹ تک سب ٹھیک تھا لیکن شاہ ویر کی ایسی حالت وہ کسی مدیحہ کے سامنے بیان نہیں کر سکتا تھا۔ وہ بھی آنکھیں موندے نیند کی تیاریوں میں تھی۔

"ویر ہم دونوں ایک ہیں تمہاری تکلیف میری تکلیف ہے۔ تمہاری خوشی میری خوشی، تمہارا ہر غم میرا غم ہے اور

تمہارا ہر مسئلہ میرا مسئلہ۔ ہمارے جسم الگ ہیں روحیں جڑی ہوئی ہیں۔ تم میری حفاظت میں ہو اللہّ نے مجھے اس دنیا میں تم سے پہلے بھیجا تھا تم اس کا مطلب سمجھتے ہو؟" وہ جس ڈھارس دینے والے انداز میں کہہ رہا تھا۔ شاہ ویر جوتوں کو دیکھتے لب کاٹتے ہوئے اسے سن رہا تھا۔

"میں تمہیں محفوظ کرنے کے لیے آیا ہوں۔ کسی نے اگر تمھیں نقصان پہنچانے کا سوچا بھی تو میں۔۔۔۔۔۔ شاہ زید بنگش تمھارے لیے ہر سیاہ کو سفید کر سکتا ہوں۔ تمھیں مجھ پر یقین ہے ناں؟"

"مجھے لگتا ہے میں مر جاؤں گا۔" وہ گیلی آواز میں بولا۔ زید کا دل کٹ کر دو حصے ہوا۔

"میں نے اتنی مشکل کے بعد یہ زندگی حاصل کی ہے میں اسے کھونا نہیں چاہتا۔ میں اتنی جلدی مرنا نہیں چاہتا۔ ابھی تو میرے سارے خواب ادھورے ہیں۔"

لوگ کیفے سے نکل رہے تھے، سڑکوں پر روز مرہ کا رش تھا، کوئی ہنس رہا تھا کوئی گھر جا رہا تھا، کسی کے کان سے موبائل لگا تھا، کوئی پاکستان کے کسی چھوٹے سے گھر میں بیٹھ کر شاہ ویر بنگش کی زندگی پر رشک کر رہا تھا اور وہ ۔۔۔۔۔۔ وہ یہاں بیٹھ کر اپنی متوقع موت سے خوف زدہ ہو رہا تھا۔ اسے آج معلوم ہوا تھا کہ اس پر رشک کرنے والے اس کا اصل جان لیں تو دم دے دیں۔

"مرد بنو، ویر۔" وہ جس کا اپنا دل کسی تیز بحر میں ڈوب رہا تھا وہی شخص سامنے والے کو حوصلے کی تلقین کر رہا تھا۔ "میں تمھارے ساتھ ہوں میں نے کہا ناں جب تک میں ہوں کوئی تم تک نہیں آ سکتا۔ میں تمھیں کچھ نہیں ہونے دوں گا۔ تم میری حفاظت میں ہو۔"

شاہ ویر نے محض سر ہلا دیا۔ ایک زکام زدہ سانس اندر کھینچی۔ آنکھیں رگڑ کر صاف کیں۔ "ایک بات بتاؤ زید۔ اگر کوئی لڑکی آپ سے ناراض ہو پھر آپ کا منع کیا ہوا کام کرنے لگے۔۔۔۔" نگاہیں سکرین پر جمائے آراہ کی ہنستی مسکراتی تصویر دیکھتے وہ سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔ "آپ کو اور غصہ آئے لیکن پھر ایک خوف بھی ہو کہ آپ اسے کھو دو گے اس کا کیا مطلب ہوا؟"

"یہی کہ تم اُلو کے پٹھے ہو۔"

وہ جس سنجیدگی سے بولا، شاہ ویر گردن جھکائے نم آنکھوں سے ہنس پڑا۔ "اور اگر اس کا قصور ہوتے ہوئے اس سے غصہ ہوتے ہوئے میں اسے منانا چاہوں تو اس کا مطلب کیا ہوا؟"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمھیں تھیراپی کی اشد ضرورت ہے۔"

"محبت کے ماروں کا کوئی طبیب ملے تو بتانا۔" وہ گہری سانس بھرتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھا اور کیفے کے اندر داخل ہوا۔ زندگی کے درد تو ختم ہو نہیں سکتے، سر کے درد کا ہی علاج کیا جائے۔ "میرا ایک کام کرو تم۔ ایک کتاب اور ایک پھولوں کا گلدستہ لو اور اسے آراہ کے گھر دے کر آؤ، ساتھ معذرتی پیغام بھی لکھنا۔"

زید نے موبائل کان سے اتار کر اسے گھورا۔ کیا یہ شخص حواس کہیں چھوڑ آیا تھا؟

"میں خود کر دیتا لیکن انٹرنیشنل پے منٹ میں وقت لگتا ہے اور کسی دوست کو میں یہ کام کہہ نہیں سکتا۔"

"تم پاگل ہو چکے ہو، ویر۔ تم واقعی پاگل ہو گئے ہو۔" وہ مارے طیش کے بس اتنا کہہ سکا۔ باریستا کو اپنا آرڈر لکھواتے شاہ ویر میز کے گرد آ کر بیٹھا۔ گردن کے کس بل نکالے۔

"تم کر رہے ہو یا نہیں؟"

"تم اب مجھے دھمکیاں دو گے؟" وہ سلگا۔ "تم اس لڑ۔۔۔۔۔" وہ کہتے کہتے رکا۔ لفظوں میں تھوڑا بہت ردوبدل کیا۔ "تم آراہ کے لیے مجھ سے لڑ رہے ہو؟"

"درخواست کر رہا ہوں۔"

"معصوم بننے کی کوشش مت کرو۔"

"میں پیدا ہی وہی ہوا تھا۔"

"تمہیں کسی نے بتایا ہے تم کتنے بڑے ذلیل اور manipulater ہو؟"

"تم ہو ناں، بتاؤ مجھے میں تمہارا لاڈلا بھائی، تمھارے جگر کا ٹکڑا ہونے کے علاوہ اور کیا کیا ہوں؟"

شاہ زید کتنی ہی دیر چپ رہا۔ اسے غصہ بھی آ رہا تھا اور بے بسی بھی محسوس ہوئی۔ انارا سے اس کا کوئی ذاتی مسئلہ نہیں تھا بلکہ اسے تو شاہ ویر اور انارا ایک ساتھ بہترین لگتے تھے لیکن حالات کا گھیراؤ ایسا تنگ تھا کہ وہ چاہ کر بھی سانس نہیں لے پا رہا تھا۔ گہری سانس لیتے اس نے ہمیشہ کی طرح اس کے آگے ہار مانی۔

"اوکے کر دوں گا۔ لکھنا کیا ہے؟"

"ٹیکسٹ بھیج دوں گا۔"

"میری ایک شرط ہے۔" زید نے کہتے ہوئے گاڑی کا گیئر گھمایا۔ "تم دو دن کے اندر اندر پاکستان آ رہے ہو۔"

"کیوں تم لڑکی بھگا کر شادی کر رہے ہو اور مجھے اس میں شرکت کرنی ہے؟" شاہ ویر نے اپنی ایسپریسو کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"لڑکی، شادی یہ چاہ تو تمہارے ہیں مجھے کوئی شادی نہیں کرنی۔" اس نے ہاتھ جھلایا۔ "میں نے ایک حل ڈھونڈا ہے کل کسی بھی وقت کی فلائٹ لو اور پاکستان پہنچو۔"

"تم بچوں جیسی باتیں کر رہے ہو، زید۔ میرا کام ہے اور میں چھوڑ کر نہیں آ سکتا۔ معاہدہ بھی کسی چیز کا نام ہے۔"

"سِک لیو مل سکتی ہے؟ یا تمہارا معاہدہ مردہ ہونے تک ختم نہیں ہو گا۔"

"کس بات کی سک لیو میں بیمار نہیں ہوں۔"

"وہ تو آج نہیں ہو تم ایک بار کہو کل تک پاکستان کا بڑے سے بڑا ہسپتال تمھیں بستر مرگ پر منتقل کرنے کے لیے بے قرار نظر آئے گا۔"

شاہ ویر سر جھٹک کر رہ گیا۔ منہ ہی منہ کچھ بڑبڑایا بھی۔ ”تم مجھے مرنے سے نہیں بچا سکتے اگر میری موت لکھی ہے تو آ کر رہے گی۔“

”تمہیں جو کہا ہے کرو میرا باپ بننے کی کوشش مت کرو۔“

”اوکے آ جاؤں گا۔“ اس نے ہر بحث ختم کی۔ ”تم میرا کام کر کے میسج کر دینا۔ پھول بھیجنے سے پہلے مجھے دکھا دینا اور چاکلیٹس میں کوکونٹ فلنگ والے چاکلیٹس لینا۔ کتاب pirated نہ لے جانا گدھے۔“

”تم کہو تو چاکلیٹ کے ٹکڑے اسے توڑ کر کھلا دوں یا کتاب پڑھ کر سنا بھی دوں؟“

”اس کام کے لیے میں آ رہا ہوں ناں۔ تم سے بہتر کر لوں گا۔“

”جانتا ہوں میں رن مرید نہ ہو تو۔“

شاہ ویر ابھی کوئی جواب دیتا کہ کال کٹ گئی۔ اس نے بڑبڑا کر موبائل ڈیش بورڈ پر ڈالا اور پسنجر سیٹ پر نیم دراز مدیحہ کو دیکھا جو شیشے سے گال ٹکائے سو چکی تھی۔ زید چند پل اسے تکتا رہا، پھر سر جھٹک کر گاڑی چلانے لگا۔ البتہ اب رفتار ہلکی تھی کہیں وہ نیند سے اٹھ نہ جائے بس اسی لیے۔ گاہے بگاہے وہ اس پر نظر بھی ڈالتا، لب مسکراہٹ میں بھی ڈھلتے، جانے کیوں ذہن فلوقت پر سکون تھا۔

★★★★★★★★★★★★★

”عالمگیر پر پڑنے والی وہ شناسا نگاہیں کس کی تھیں؟“

قصہ گو کی کلائی میں بندھی گھڑی میں چلتے وقت کو شام سے صبح کے کانٹے پر لاؤ، آسمان پر تنی سیاہ چادر کھینچ کر اتارو تو اجالا دکھائی دے گا۔ ایسا اجالا جس میں کئی اسرار چھپے ہوئے ہیں۔ کیفے میں جہاں عالمگیر یمن پر کئی غیر شناسا نگاہیں تھیں وہیں ایک شناسا نگاہ بھی تھی جو بے اختیار، بلا ارادہ اس پر ٹک کر رہ گئی تھی۔ وہ نگاہ تاجور طلال بنگش کی تھی۔

"تاج یہ عالمگیر ہے ناں؟" کیفے کی دوسری منزل پر چھوٹی سی شیشے کی دیوار کے عین ساتھ والی میز کے گرد بیٹھی تاجور بنگش سے کسی نے پوچھا۔ جوس کا گلاس اٹھاتے ہوئے وہ یکلخت ٹھٹھکی۔ "دیکھو ذرا مجھے تو وہی لگ رہا ہے۔" اس کے ساتھ بیٹھی اس کی دوست اب تک اسی طرف دیکھ رہی تھی۔ تاج نے اس کی تقلید میں دیکھا تو وہ وہی تھا۔ وہی قد کاٹھ، وہی ہیزل آنکھیں، وہی بھورے بال جو بکھرے ہوئے تھے۔ ہاں بس قلموں سے کچھ کچھ سفید ہو گئے تھے۔ گزرے برسوں کے برعکس وہ سوبر اور سنجیدہ دکھائی دے رہا تھا یا شاید بے زار۔ وہ کئی لمحے اسے دیکھتی رہ گئی۔ وقت کی ساعتیں اس کی وجاہت کو دھندلا نہ سکی تھیں۔

"شکر کرو تم نے درست وقت پر درست فیصلہ لے لیا، ورنہ آج اس قاتل کی بیوی ہوتیں تم۔"

تاج اس کی بات نہیں سن رہی تھی وہ ماضی کے اوراق کھولے کسی پہلی ملاقات کی لہر میں مدغم تھی۔ وہ دور جب عالمگیر یمن سیاہ کاریوں سے دور تھا، وہ دور جب تاجور بنگش ایک مختلف عورت تھی۔ وہ دور جب ان دونوں کے درمیان تعلق بنا تھا۔ وہ دور جب وہ دونوں مسرور تھے۔

ماضی میں وہ کتنی دیر سے خود پر پڑتی عالمگیر کی نگاہوں سے محظوظ ہو رہی تھی۔ اسے اندازہ نہیں ہوا۔ ہاں وہ اسے دیکھا کرتا تھا۔ لاہور کی دھند آلود صبحوں میں وہ جلدی جامعہ آجایا کرتا، کلاس میں اساتذہ کی بات سے زیادہ اس کا دھیان تاجور کی باتوں کی طرف ہوتا۔ کیفے ٹیریا میں اگر وہ چار بار جاتی تو عالم پر بھی فرض تھا کہ وہ اس کی دائیں بائیں طرف کسی میز کے گرد آکر بیٹھے۔ جو وہ منگوائے وہی آرڈر کرے۔ اسے غیر آرام دہ کیے بغیر اسے گاہے بگاہے اسے تکتا رہے۔

اس وقت جب وہ اپنے ڈرائیور کا انتظار کر رہی تھی تب عالم اور یافث کی باتیں بھنبھناہٹ کی صورت اس کے کانوں میں پڑ رہی تھیں۔

"کیا ارادہ ہے آج بات کرنی ہے؟" یافث اپنے تئیں بڑی رازداری سے پوچھ رہا تھا۔

"مجھے نہیں لگتا آج وہ صحیح موڈ میں ہے میرا خیال ہے تمھیں موقع دیکھ کر بات کرنی چاہیے۔"

"مرد موقعے دیکھتا نہیں پیدا کرتا ہے۔" بالوں میں انگلیاں چلاتے کسی گاڑی کے شیشے میں خود پر ایک تنقیدی نگاہ ڈالتے ہوئے وہ پہلی بار تاجور کو اپنی جانب سے مخاطب کرنے کے لیے آگے بڑھا۔ وہ جو تین چار ہم مکتب ساتھیوں کے ساتھ مل کر کھڑی تھی۔ عالم کو اپنے سامنے کھڑے ہوتے ہوئے دیکھ کر ذرا حیران ہوئی لیکن ظاہر نہیں کیا۔

"کیا تم مجھے گھر تک لفٹ دے سکتی ہو؟" عالمگیر بازو سینے پر باندھے آس پاس کھڑے لوگوں کو یکسر نظر انداز کرتے مکمل سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔ تاجور نے بے اختیار یہاں سے وہاں دیکھا۔ پھر دوبارہ اسے۔

"ان کی طرف کیا دیکھ رہی ہو؟ میں تم سے بات کر رہا ہوں، مس تاجور۔ کیا تم مجھے لفٹ دے سکتی ہو؟"

اگر یہ اعتماد تھا تو تاج کو بھایا اور اگر غرور تھا تو۔۔۔۔۔ اس کی آنکھیں، اس کا چہرہ نظر بھر کر دیکھا پھر۔۔۔۔ اس پر بنتا تھا۔ اس فتوے پر مہر لگا دی۔

"مجھ سے بات کرنے کی اچھی کوشش ہے لیکن شاید تمھیں یہ کہنا چاہیے تھا کہ تم مجھے لفٹ دے سکتے ہو۔" تاج کی طرف سے اسے سبز سگنل مل گیا تو آس پاس کھڑے سب لوگ آہستہ آہستہ ہٹ گئے۔ یوں بھی اس ملاقات نے ہونا تھا، کبھی نہ کبھی تو ہونا ہی تھا۔ یہ وجدان نصف جامعہ کو تھا۔

"میرے پاس یہ ہے۔۔۔۔۔" اس نے ہاتھ کے اشارے سے ایک طرف کھڑی بائیک کی طرف اشارہ کیا۔ "ویسے تو اس میں کوئی برائی نہیں ہے لیکن شاید پہلی بار میں تمھیں اس کی پیشکش کروں تو تمھیں برا لگ سکتا ہے اور میں ایک ڈیسنٹ آدمی ہوں۔"

تاج نے بالوں کی ایک لٹ کان کے پیچھے اڑسی، مسکراہٹ گہری ہوئی۔ کوئی اگر دور سے انہیں ساتھ کھڑے ہوئے دیکھ لے تو ان دونوں کو کسی مصور کی بہترین مصوری قرار دے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ مکمل تھے۔

"میں تمھیں کیوں ڈراپ کروں؟ کیا تم راستے میں مجھے انٹرٹین کر سکتے ہو؟"

"میں کوئی مسخرہ نہیں ہوں، تاج۔" عالم نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اس کی بات کاٹی۔

"پھر میں تمھیں گھر کیوں چھوڑوں؟"

"تا کہ راستے میں تمھیں معلوم ہو سکے کہ عالمگیر کے ساتھ سفر کتنا اچھا کٹ سکتا ہے۔اپنے اس سڑے ہوئے ڈرائیور کے ساتھ بور نہیں ہو جاتیں تم؟"

تاج نے مسکراہٹ دبائی۔ آدھا جامعہ جانتا تھا کہ عالمگیر یمن تاجور میں دلچسپی رکھتا ہے۔وہ خود بھی اس بات سے بہت اچھی طرح واقف رہی تھی اور کوئی تفاخر تھا جو اس میں بھر گیا تھا۔عالمگیر وہ مرد جسے کئی لڑکیاں ٹھہر کر دیکھتی تھیں وہ اگر کسی پر نگاہیں ٹکانے کو تیار تھا تو وہ

صرف اور صرف تاجور بنگش کا چہرہ تھا۔

"بور تو ہوتی ہوں لیکن کیا کر سکتے ہیں عالمگیر صاحب آپ جیسا اکھڑ اور مغرور آدمی ہمارا ڈرائیور بھی تو نہیں بن سکتا ناں۔"

اسی لمحے تاجور کی گاڑی وہاں آ کر رکی۔ڈرائیور تاخیر کے لیے معذرت کرنے لگا مگر تاج نے بس اس سے چابی لی اور اسے گھر جانے کو کہا۔ڈرائیور حیران ہوا مگر اسے کچھ کہنے کی اجازت نہیں تھی۔وہ عالم کے سامنے رکی۔

"اوکے سو۔۔۔۔۔۔تم ڈرائیو کرو گے؟"

"میں پسنجر سیٹ پر بیٹھ کر تم سے بات کرنا پسند کروں گا۔" جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے اعتماد سے کہا۔

تاج جان گئی کہ وہ ڈرائیور بننے سے کترا رہا ہے۔اس نے سر کو خم دیا کچھ دیر بعد وہ اگلی نشست پر بیٹھی تھی عالم اس کی دوسری طرف۔وہ اعتراف نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن عالم جامعہ کے باقی مڈل کلاس لڑکوں سے مختلف تھا۔اندر بیٹھتے ہوئے اس نے گھور گھور کر گاڑی کو نہیں دیکھا تھا،نہ ہی اس کی نظریں تاج کے موبائل،گھڑی یا پھر ہیرے کی انگوٹھیوں پر جمی رہیں۔اس کا انداز، گفتگو کی وہ مہارت، موضوعات کی بھرمار اور اپنی رائے پیش کرنے کا انداز کسی دن وہ اعلیٰ سطح تک جائے گا اس میں کوئی شک نہیں تھا۔

"میں نے تمہارا ایڈ دیکھا تھا۔" انڈسٹری کی نئی اداکاراؤں کی صحت پر بات ختم ہوئی تو عالمگیر نے نیا قصہ چھیڑا۔

"میں خوبصورت لگ رہی تھی، اچھی لگ رہی تھی میری فٹنس اور۔۔۔۔۔۔۔"

"تمہارا چہرہ تاثرات سے خالی تھا۔" بڑی تمیز سے بدتمیزی کر دی۔ تاج کا چہرہ سرخ ہوا اس نے گردن گھما کر بے یقینی سے اسے دیکھا۔

"اگر تم خود بھی غور کرو تو تمھیں پتا چلے گا کس طرح تم شیمپو کی تشہیر کم اور اپنے میک اپ کی وجہ سے زیادہِ ان ہو۔ تمہاری تعریف ہزار لوگوں نے کی ہو گی، میں وہ ایک ہی ہوں گا جو اصلاح کر رہا ہے۔"

"اصلاح یا بے عزتی؟" اسٹیئرنگ پر اس کی گرفت سخت ہوئی۔

"بے عزتی کرنی ہوتی تو دس لوگوں کے سامنے یہ بات کہتا۔ لوگوں نے وہاں تمکنت بنگش کی بیٹی دیکھی اور میں نے تاجور کو دیکھا۔ اگر تم اپنی ماں کے نام سے آگے بڑھنا چاہتی ہو تو ٹھیک اور اگر کچھ اپنا کرنا ہے تو محنت کرو۔" وہ واقعی مختلف تھا۔ خود آکر لفٹ مانگ لیتا تھا، اپنی پسند کی جگہ پر آکر بیٹھ جاتا اور اپنی پسند سے کوئی بھی بات کہہ دیتا تھا۔ کوئی اگر اپنی شخصیت کے

سحر سے واقف ہو تو عالم کی طرح ہو۔ وہ بس سوچ سکی۔ غصہ البتہ کم نہ ہوا۔

"خیر تمھیں پتا ہے ایک نیا کیفے کھلا ہے تمھارے علاقے کے بالکل نزدیک اگر کل تم فارغ ہو تو ہم شام کو چل سکتے ہیں۔"

"میں مصروف ہوں۔" وہ رکھائی سے بولی۔ خوش گفتاری دم توڑ گئی۔

"اوکے۔"

تاجور کے تو سر پر لگی اور تلوؤں میں بجھی۔ کمبخت ایسا کوئی یوسف ثانی بھی نہیں تھا، غرور بھلا کس چیز کا تھا؟

"تمھارے پاس لائسنس ہے، تاج؟" ٹریفک میں گاڑی رکی تو عالم نے سامنے دیکھ کر سوال کیا۔ تلاشی جاری تھی۔ ٹریفک پولیس کے ساتھ تھانے کا عملہ بھی گاڑیاں روک روک کر لائسنس چیک کرتا ہوا نظر آرہا تھا۔ وہ ایک پل کو غائب دماغ نظر آئی پھر چونکی۔ سامنے دیکھا اور ٹھٹھکی۔

"نہیں۔۔۔۔۔۔ میں نے تو کبھی بنوایا ہی نہیں۔" پولیس والوں نے کسی لڑکی کو خاتون اہلکار کے حوالے کیا اور یہاں تاجور کی سٹی گم ہوئی۔

"چہ چہ چہ۔۔۔۔۔۔ اس ملک کی نوجوان نسل آخر قانون کی پاسداری کب سیکھے گی؟" وہ

تاسف سے سر نفی میں ہلانے لگا۔

افسر ان سے دو گاڑیوں کی دوری پر تھا اور تاجور کی ہتھیلیاں پسینے میں بھیگ رہی تھیں۔ اس مغرور اور منہ پھٹ آدمی سے کوئی بعید نہیں تھی کہ منہ پھاڑ کر خود بتا دے۔ "جناب اس کو لے جائیں اس کے پاس لائسنس نہیں ہے اور اندر لے جا کر تین چار دُرے تو ضرور ماریں" اور گاڑی کا لائسنس اس کے اپنے پاس ہونا اس صدی کا سب سے بڑا معجزہ ہوتا۔

"تاج پیچھے جا کر بیٹھو جلدی۔" پولیس افسر نے ایک لڑکے کو نکال کر اپنے عملے کے حوالے کیا جب عالمگیر نے سامنے دیکھتے نیا حکم صادر کیا۔ "چہرے کے سامنے کتاب یا موبائل رکھو جلدی کرو۔" وہ بازو کے کف موڑتے ہوئے بولا۔

مرتے کیا نہ کرتے کے مصداق وہ اسی طرح بند گاڑی میں اپنی سیٹ سے اٹھ کر پچھلی سیٹ پر جا کر بیٹھی اور عالمگیر تیزی سے اگلی نشست، یعنی ڈرائیونگ سیٹ پر۔

ٹھک ٹھک ٹھک۔۔۔۔۔۔ گاڑی کا شیشہ بجا۔ تاجور کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ افسر غصیل معلوم ہو رہا تھا وہ جب تک اپنی ماں یا بھائی کو بلانے کی بات کرتی تب تک وہ اسے گاڑی سے باہر نکال کھڑا کرتا۔ بے عزتی اُف اُف اُف۔ شاید اس کا دماغ خراب تھا جو وہ عالمگیر جیسے دماغ سے خالی اور غریب آدمی کے ساتھ گاڑی میں چلی

آئی۔

"لائسنس؟" افسر ماتھے پر بل اور چہرے پر ناگواری لیے پوچھ رہا تھا۔ عالمگیر نے بڑی بااعتمادی سے اپنا بیگ کھولا اور لائسنس نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔ تاجور کی رنگت زرد پڑ رہی تھی۔ افسر نے لائسنس دیکھا پھر عالم کو اور پھر ایک دفعہ پھر تاجور کو۔ "یہ خاتون کے کیا لگتے ہو تم؟"

عالم نے بیک ویو مرر میں تاج کا گھبرایا ہوا چہرہ دیکھا۔ وہ جسے لگتا تھا انا کا مارا مرد کوئی زہر ہی اگلے گا۔ اس نے غرور ماتھے سے اتار کر پھینکا اور افسر کو دیکھ کر "میں بی بی کا ڈرائیور ہوں۔" بڑی ہی تابعداری سے کہا۔

"ٹھیک ہے نکلو چلو۔" افسر کھڑکی سے ہٹ گیا۔ تاج کے سینے میں مقید سانس آزاد ہوئی۔ اس کا تنفس تیز ہو گیا۔

"تم لائسنس کہاں سے لائے؟" اس کے حلق سے پھنسی پھنسی آواز نکلی۔

"جعلی ہے تین سو روپے دے کے بنوایا ہے۔" وہ گیئر ڈالتے ہوئے بے نیازی سے بولا۔

"تم نے خود کو میرا ڈرائیور کیسے بتا دیا؟"

"منہ سے۔" اس نے بے پر کی اڑائی۔ "تمھیں کیا لگتا ہے میں تنگی میں راستہ نکالنے کی بجائے ساتھ چھوڑوں گا؟" بیک ویو مرر میں تاجور کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

اپنی کہنی ہلائے جانے پر وہ ہوش میں آئی۔ "کیا کر رہی ہو تاج وہ اسی طرف ہی دیکھ رہا ہے۔" رامین کی آواز پر وہ ہوش میں آئی۔ عالمگیر واقعی چہرہ اونچا کیے اسی طرف دیکھ رہا تھا۔ لیکن درمیان میں ستون ہونے کے باعث شاید وہ اسے دیکھ نہیں سکا۔ "اس سے سو گز کے فاصلے پر رہنا۔ اپنی تین تین بیویوں کو قتل کر چکا ہے۔"

"اس کی بیویاں کیسے مری تھیں؟" اس نے بہ دقت خود کو ماضی سے نکالا۔

"پہلی بیوی اور عالم کی بیٹی ساتھ سفر کر رہے تھے اور حادثہ ہو گیا۔ گاڑی عالم چلا رہا تھا بیوی کو مار دیا اور بیٹی بچ گئی۔" رامین نے کہنا شروع کیا۔ تاج بے اختیار چونکی۔

"اس کی بیٹی بھی ہے؟" دل میں کوئی ہوک اٹھی۔

"ہاں بھئی چھ سات سال کی ہو گی۔ بیٹی کے لیے تو اچھا خاصا پاگل ہے۔ دوسری بیوی کچن میں جل کر مر گئی تھی۔ محلے والوں کا کہنا تھا کہ اس کے جلنے سے پہلے انہوں نے عالم اور اس کی بیوی کی لڑائی کی آواز سنی تھی اور تیسری بیوی۔۔۔۔۔" عورت نے جھرجھری لی۔ "وہ سات ماہ کی پریگننٹ تھی۔ عالم نے اسے بڑی بے دردی سے قتل کر دیا۔"

تاجور دم سادھ کر رہ گئی۔ "بہت ظالم ہے وہ۔ اگر سادات صاحب اس کے پیچھے نہ ہوتے ناں تو آج یہ کسی جیل میں چکی پیس رہا ہوتا۔" رامین تنفر سے بولی۔

"گھٹیا آدمی!" عالمگیر کو دیکھتے ہوئے تاج نے نفرت سے تبصرہ کیا اور چہرہ پھیر لیا۔ یہ الگ بات تھی کہ تشنہ نگاہیں سیرابی کی معراج نہ پا سکی تھیں۔

★★★★★★★★★

ہڈی سر پر گرائے وہ شیشے کے دروازے سے باہر نکلا تو اس کے چہرے پر خالی پن تھا۔ تاثر سپاٹ۔ بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ اسلان یمن کا چہرہ بتا دے وہ کس عمل کی تیاری میں ہے یا کس سیاہ کاری میں شریک کار۔ اس کا چہرہ اور آنکھیں اس معاملے میں بس دو ہی لفظ کہتی تھیں۔ "اٹس پرسنل"

"لائیٹر ہے؟" شور، رش، مختلف لوگوں کے درمیان پکارے جانے والی آواز میں بھی بعض دفعہ انسان کو الہام ہوتا ہے کہ یہ پکار اس کے لیے تھی۔ اسلان بھی اسی پکار پر مڑا۔ "بیڑی جلانی ہے لائیٹر ملے گا؟"

"میرے پاس لائیٹر نہیں ہے۔" وہ رک گیا۔ چبھتی آنکھیں اپنے سامنے کھڑے خاکی رنگ کے بھدے پینٹ کوٹ والے آدمی پر جمائے رکھیں۔ میلے بال اور گھسے ہوئے بوٹوں والا شخص بھی نگاہوں سے اس کا معائنہ کرتا ہوا نظر آ رہا تھا۔

"ماچس بھی نہیں ہے؟"

"پانچ سو روپے کا سیگریٹ پیکٹ خرید سکتے ہو اور پانچ روپے کا ماچس نہیں ہے؟ بے وقوف بننے کے لیے کسی ماں نے اور بچے جنے ہوں گے مجھ سے کام کی بات کرو۔" اسلان اکتایا۔ ماتھے کے بل گہرے ہوئے۔

سفاری سوٹ والے آدمی کے لبوں کے کونے ہلکے سے اوپر کو اٹھے۔ "اچھے خاصے ذہین معلوم ہوتے ہو یہاں کیسے آنا ہوا؟"

"رشتہ کروانے آیا تھا تمھیں بھی کروانا ہے؟"

اب کے سامنے والا آدمی زور سے ہنس پڑا۔ جیب سے ماچس نکال کر بیڑی سلگائی اور اکتائے کھڑے اسلان کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا۔ "کلیم سفری!"

"اسلان شجاع یمن۔" اس کا ہاتھ تھامے بغیر سنجیدگی سے جواب دیا۔ پھر ایک نظر اس پہر ڈال کر آگے بڑھا۔ کلیم اس کے ساتھ قدم بڑھانے لگا تھا۔ بازار میں گرم گرم کباب، بُھٹے اور مختلف پکوانوں کی خوشبو بھر رہی تھی۔

"کسی اچھے خاندان کے معلوم ہوتے ہو پیسوں کا کوئی مسئلہ ہے؟ کوئی پولیس کیس، یا پھر عورت وغیرہ کا چکر؟ یہاں کئی لوگ آتے ہیں، مایوس جاتے ہوئے بہت کم کو دیکھا ہے۔"

"تمھیں میں شکل سے مایوس لگ رہا ہوں؟"

"مطمئن بھی نہیں لگ رہے۔" ڈھلتی شام میں اس کے لبوں سے نکلتا دھواں اور بازار کا رش ایک الگ ہی سماں باندھ رہا تھا۔ "اگر کوئی کام اٹک گیا ہے تو میں مدد کر سکتا ہوں۔"

"مجھے ملک سے باہر جانا ہے یورپ، مڈل ایسٹ کہیں بھی۔" چلتے چلتے اسلان نے رکھائی سے جواب دیا۔ "پچیس فروری کو جو قافلہ پاکستان سے یورپ جا رہا ہے۔ میں اس کے ساتھ جانا چاہتا ہوں لیکن ریاض کہتا ہے کہ میرے پاس کوئی ریفرنس نہیں۔" اس نے کوفت سے سر جھٹکا۔ "مجھے اصول بتا رہا ہے بے غیرت آدمی۔"

"اگر پولیس، فوجی، وکیل نہیں ہو تو کلیم سفری تمہارا ریفرنس بن سکتا ہے۔" اسلان کو اندازہ تھا کہ کلیم بھی اسی

گروہ کا فرد ہے جو دکان اندر بند کمرے میں نہیں چلتی اسی دکان کو وہ باہر چلاتا تھا۔ "ویسے تم کون ہو اور کیوں ملک چھوڑ رہے ہو وہ بھی غیر قانونی؟"

اسلان چلتے چلتے رکا۔ گہری ٹھنڈی نظروں سے اسے دیکھا۔ "میری مرضی۔"

"ٹھیک ہے جو تم کہو کلیم نے بھاری سا دھواں ہوا میں خارج کیا۔ "جتنا ریاض لیتا ہے اس سے دگنا لوں گا لیکن کام پکا ہو گا۔ اگر منظور ہے تو ٹھیک ہے ورنہ ہم دونوں آج ملے ہی نہیں تھے۔"

"آدھا پیسہ کل اور آدھا کام ہونے کے بعد۔" ہیل وحجت وہ پیش کرتا ہے جسے حفاظت کا

خوف ستائے اسلان یمن اپنی کشتیاں اپنے ہاتھوں سے جلا کر جا رہا تھا۔ اسے کیا فرق پڑنا تھا؟ "پیسہ کہاں لانا ہے؟"

کلیم کو اگر اس پر تھوڑا بہت شبہ تھا تو اب وہ بہت بڑا ہو گیا۔ کوئی بھی مجبور اور بے روزگار نوجوان یوں پیسہ ہتھیلی پر لیے نہیں گھومتا کوئی پولیس والا یا وکیل اتنی جلدی بغیر بارگینگ کے پیسہ دے کر خود کو مشکوک ثابت نہیں کرواتا۔ اگر وہ ان دونوں میں سے کوئی نہیں تھا تو کیا تھا؟

"شالیمار ہوٹل، رات بارہ بجے۔"

اسلان نے سر کو اثبات میں ہلایا اور آگے بڑھ گیا۔ اس کے بھیڑ میں گم ہونے تلک اس کے عقب میں کھڑا آدمی اسی کے متعلق سوچتا رہا۔ کوئی اسے بتائے قانون، بے روزگاری، اصول ان سب سے اوپر بھی ایک چیز ہوتی ہے۔ خود پر دستبرداری۔ رش میں گم ہونے والا نوجوان خود سے دستبردار تھا۔

★★★★★★★★★★★★★

لعل یمن پر آج کی شام کافی ہلچل اور رونق سے بھرپور تھی۔ باورچی خانے میں کھڑی ہانیہ اور انار ایافث کے بنائے ہوئے اور کچھ باہر سے منگوائے ہوئے کھانے طشت اور ڈونگوں میں نکالتی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ چھوٹے سے باورچی خانے میں اشتہا انگیز خوشبو پھیلی تھی۔

"کل آفس آؤ گی ناں؟" سلاد کے لیے فرج سے کھیرے نکالتے ہوئے ہانیہ نے پوچھا۔

"نہیں یار موڈ نہیں ہے۔" بریانی کی طشت کے اوپر ایک ایک دھنیا سجاتے ہوئے انارا کوفت زدہ تھی۔ "مجھے تو لگتا ہے میں غلط فیلڈ میں چلی گئی ہوں۔ ڈراموں اور فلموں میں ہمیشہ دیکھتے ہیں کہ لڑکی کو پتا ہوتا ہے اسے زندگی سے کیا چاہیے اس کا مقصد کیا ہے اور ایک میں ہوں۔۔۔۔۔۔۔" طشت ایک طرف دھکیل کر اس نے موبائل کی سکرین پر نگاہ ڈالی۔ تصاویر اپلوڈ ہونے کے بعد بھی شاہ ویر کی طرف سے کوئی پیغام نہیں آیا تھا۔ کیا یہ طریقہ بھی ناکام گیا؟ "مجھے نہیں پتا کہ میرا ٹیلنٹ کیا ہے۔"

"بہن جب پتا لگ جائے تو مجھے بھی بتانا۔" سلیقے سے کٹے ہوئے پیازوں کے گرد اب وہ کھیرے رکھتی جا رہی تھی۔ "میں یہ سلاد بنا کر گھر جاؤں گی۔ شام کے سات بجنے والے ہیں، اچھی خاصی دیر بھی ہو گئی ہے۔"

"کیا ہے، یار؟ یہ سامنے تمہارا گھر ہے اگر تھوڑی دیر کے لیے رک جاؤ گی تو کونسی قیامت آ جائے گی۔ کبھی کبھی ہی میرا لعل یمن آنا ہوتا ہے، میں اکیلی بور ہو جاتی ہوں۔"

چھری والا ہاتھ پسلیوں پر رکھے ہانیہ نے تند ہی سے اسے گھورا۔ "تمھارے گھر میں تین تین

غیر شادی شدہ مرد ہیں لوگ باتیں بناتے ہیں یار اور اگر تمھیں اتنا ہی شوق ہے۔۔۔۔۔۔" کھیرا ایک طرف رکھ کر آنکھیں پٹپٹائیں۔ "ان تین خوبرو نوجوانوں میں سے مجھے کسی ایک کی بیوی ہی بنوا دو۔"

آراہ ہلکا سا ہنسی۔ پھولے پھولے گال سرخ ہوئے۔ "اچھا بتاؤ کس کی بیوی بننا پسند کرو گی تم؟ سہراب چاچو؟"

"ہیں تو وہ بہت اچھے انسان لیکن نہیں یار ابا جیسے لگتے ہیں اور وہ غیر شادی شدہ نہیں بس بیوی دور ہے۔"

"اچھا پھر اسلان بھائی؟"

"وہ تو نظروں سے ہی کھا جائے گا مجھے، نمونہ۔"

"عالم چاچو کیسے رہیں گے؟"

"کیوں مجھے وقت سے پہلے جہنم بھیجنا چاہتی ہو؟ہیٹ ٹرک کر چکے ہیں وہ، میں ان کا چوتھا شکار نہیں بننا چاہتی۔"اس نے جھرجھری لی۔

"تم ہاں کہہ دو وعدہ ہے تمھیں اُف تک نہیں کہوں گا۔"آواز تھی کہ صُوران دونوں لڑکیوں نے کرنٹ کھا کر دروازے کی طرف دیکھا۔جہاں سبز سوئیٹر اور سفید سلیکس والا عالمگیر بازو سینے پر باندھے کھڑا تھا۔کتنے ہی لمحے ان کے حلق سے کوئی آواز نہ نکلی۔وہ خالی سپاٹ نظروں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔"کیا ارادہ ہے پھر کل سہراب کو بھیجوں تمھارے گھر؟"

اُف اُف اُف ہانیہ کے کانوں سے دھواں نکلنے لگا وہ تیزی سے باہر بھاگ گئی اور عالمگیر سر جھٹکتے ہوئے آگے آیا۔انارا اب کے کھل کر مسکرائی۔عالم کے قریب آکر دونوں بازو اس کے گرد پھیلائے اور سر اس کے کندھے سے لگایا۔عالم نے جھک کر اس کے بال چومے، سر تھپتھپایا اور ذرا زور سے گلے لگایا۔

"جیل سے آرہا ہوں میں چوتھی شادی کر کے نہیں آیا جو تم سب اتنا خوش ہو رہے ہو۔"

"کیوں ایسی حرکتیں کرتے ہیں آپ؟"اس کے گرد بازو سختی سے باندھے وہ رندھے ہوئے لہجے میں بولی۔"میں نے آپ کو بہت یاد کیا۔آپ اب پلیز ایسا کچھ مت کرنا۔آرام سے یہیں رہیں ناں۔"

عالمگیر نے اسے دھیرے سے خود سے الگ کیا۔کوئی اور موقع ہوتا تو وہ بدلے میں اسے مزید سختی اور محبت سے گلے لگاتا۔معتدد مرتبہ اس کا ماتھا چومتا، یا پھر اسے ساتھ کہیں چلنے کا کہتا لیکن آج اس کے خون کا خلفشار تیز تھا۔آج وہ عالمگیر کہاں؟وہ چند لمحے خالی خالی نظروں سے اسے دیکھتا رہا، انارا کو کچھ غلط ہونے کا احساس ہوا۔

"بنگش خاندان کے ساتھ کیا معاملہ ہے تمہارا؟"آواز کی ٹھنڈک لڑکی کی ریڑھ کی ہڈی تک گئی۔اس کی رنگت لمحے کے ہزارویں حصے میں فق ہوئی۔وہ متغیر ہوتی رنگت سے اسے دیکھتی رہ گئی۔عالم کی آنکھوں میں ڈھونڈنے سے بھی رعایت نہیں مل رہی تھی۔"جو بھی قصہ ہے اسے ختم کرو ورنہ میں قسم لیتا ہوں اس خاندان کا ہر ہر بندہ میرے ہاتھوں سے ختم ہو گا۔عالمگیر یمن اس خاندان کا واحد وکٹم ہو گا اگر انہوں نے تمھارے نزدیک آنے کی کوشش کی تو بہت برا پیش آؤں گا۔ان کے ساتھ بھی اور تمھارے ساتھ بھی۔"

انارا کی زبان کو لقوہ لگے جو وہ اگلا لفظ کہے۔

"بنگشوں کے پاس دل نہیں ہے، انارا۔" اب کے اس نے کچھ حد تک نرمی سے کہا۔ "میں نہیں جاننا چاہتا تم اس سے کہاں ملی، کیا ہوا کیسے ہوا کچھ بھی نہیں۔ لیکن اگر تم نے اس گھر میں شادی کا سوچا تو میں چوتھی بار جیل جانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ میں اس خاندان کے مردوں کی لاشیں گرانے سے بھی ہچکچاؤں گا نہیں۔"

شاہ ویر نے اسے چاہے جتنا حوصلہ دیا ہو چاہے جتنے دعوے اور وعدے کیے ہوں اس کی لکھی ہوئی کتاب تک ردی تھی اور گھر کے مرد کا کہا لفظ بھی پتھر پر لکیر۔ وہ ساکن ہی تو رہ گئی۔

"چاچو۔۔۔۔۔۔ وہ۔۔۔۔۔" اس نے کچھ کہنے کی کوشش کی مگر حلق سوکھ رہا تھا۔ "آپ ایک بار اس سے مل لیں۔ وہ بہت اچھا ہے۔۔۔۔۔"

"اس کی ضرورت نہیں۔" وہ یہ نہیں کہہ سکا کہ اس گھر کے ہر فرد سے وہ کئی سال پہلے مل چکا ہے اور ان میں سے ایک کو تو بہت اچھے سے پرکھ بھی چکا ہے۔ "شاہ ویر یا شاہ زید؟" اس کا لہجہ نہیں بدلا بس بات کا رخ بدلا۔

"شاہ۔۔۔۔۔"

"عالمگیر تم کب آئے؟" وہ نام پورا لے پاتی کہ چوکھٹ پر کھڑے یافث کی بلند آواز میں اس کی آواز دب گئی۔ سارے وقت میں عالم کے چہرے سے پہلی بار کھنچاؤ ہٹ گیا۔ بھینچے جبڑے آزاد ہوئے، ماتھے کے بل غائب۔ وہ مڑا یافث تیزی سے آگے آیا۔ وہ دونوں بغل گیر ہوئے۔ نوارد کتنی ہی دیر اسے سینے سے لگائے کھڑا رہا۔ اسلان اور سہراب بھی اسی طرف چلے آئے اور محبت کے یہ مظاہرے دیکھے۔ یمن اور طارون دونوں خاندان آج لعل یمن کی چھت تلے اکھٹے تھے۔ سہراب اور یافث کی دوستی جیسے بھی ٹوٹی ہو۔ عالمگیر کا واحد دوست آج بھی یافث تھا اور اتنا عرصہ بعد اسے قریب محسوس کر کے وہ دل سے خوش تھا۔ اسے سینے سے لگائے وہ کتنی ہی دیر سکون محسوس کرتا رہا۔

اس گھر نے بہت کچھ برباد کیا تھا اور بہت کچھ برباد کرنے کی تگ و دو میں تھا۔ اس گھر میں ایک شادی ٹوٹی

تھی۔عالمگیر یمن کی محبت ختم ہوئی تھی،یافث اور سہراب کی دوستی خاکستر اور تین معصوم عورتوں کی موت بھی۔قدرتی یا پھر سوچی سمجھی یہ بات بھی خدا کے بعد اس گھر کی دیواریں جانتی تھیں۔یہاں اسلان یمن نے محبت اور والدین بھی کھوئے،لیکن یہ گھر آج بھی ویسا تھا۔مستقبل میں بھی ویسا رہتا۔گھروں کا کیا جاتا ہے؟

کچھ دیر بعد تمام لوگ میز کے گرد جمع تھے۔بریانی،کوفتے،فرائیڈ رائس کی خوشبو سارے میں پھیلی ہوئی تھی۔عالمگیر بظاہر سنجیدگی سے یافث کی ہر بات سن رہا تھا لیکن اس پر جمی تینوں یمن کی نگاہیں مشکوک تھیں۔

گہری بھوری آنکھیں اس کے حلیے،انداز،سامان پر جمی تھیں۔جیل سے پلٹنے کا پہلا دن ایسا تو نہیں ہوتا۔

ہیزل آنکھیں بار بار ڈبڈبائے جا رہی تھیں۔کیا عالمگیر اس کی زندگی کی واحد خوشی ختم کر دے گا؟

سہراب یمن کی نگاہیں نہ مشکوک تھیں،نہ بے بس۔ان میں ایک ملال سا تھا۔چھوٹا بھائی اتنا بڑا کب ہوا کہ دھوکے دینے لگے؟ابا نے کہا تھا اس کا خیال رکھنا ابا نے یہ نہیں بتایا کہ اگر وہ خیال رکھنا چھوڑ دے تو سہراب کیا کرے؟

"کیا ہوا تمہارا موڈ کیوں خراب ہے؟"اسے کم کم کھاتے دیکھ کر یافث نے دھیرے سے پوچھا۔

عالمگیر کی نگاہوں کے سامنے ایک بار پھر وہی کیفے تھا۔ستون کی اوٹ سے نظر آتا"اس کا"نیم رخ۔کم از کم تاجور بنگش کو پہچاننے میں اسے کبھی مشکل نہیں ہو سکتی،ہرگز نہیں۔

"کیا ہوا ہے اس بار جیل میں زیادہ مار پڑی ہے کیا؟"

"میں نے آج"اسے"دیکھا۔"اس نے انگلی سے کنپٹی سہلائی۔آواز مدھم تھی۔

"کسے دیکھا؟تینوں کو ماشاءاللہ سے جنت پہنچا چکے ہو اب کسے دیکھ لیا؟"یافث پاستا کا کانٹا منہ تک لے جاتے غیر سنجیدہ تھا۔آوازیں دونوں کی مدھم رہیں۔

عالمگیر نے سخت نظروں سے اسے دیکھا۔"تاجور۔بنگش۔۔۔۔۔میں۔۔نے۔۔آج۔۔۔اسے۔۔۔دیکھا۔"ایک ایک لفظ توڑ توڑ کر ادا کیا۔

نام نہیں تھا، ماضی کا تھپڑ تھا جو آج بھی اتنی ہی زور سے لگا۔ یافث کا ہاتھ رک گیا، نگاہوں میں نا سمجھی ابھری۔

"وہ وہی تھی میں اسے نہیں بھول سکتا، مجھے کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی۔"

"کہاں دیکھا؟" وہ اب کے سنبھل گیا تھا۔

"کیفے میں۔"

"تمھیں کیا ضرورت ہے ایسی جگہوں پر جانے کی جہاں وہ جاتی ہے۔"

اس نے جواب نہیں دیا البتہ پلیٹ میں چلتا چمچ رک گیا تھا۔ یافث اسے کسی قسم کی تسلی دینا چاہتا تھا لیکن بے سود۔ جذباتی سہارا کیسے دیا جائے اسے آج تک پتا نہیں چل سکا تھا۔ "اب میں کیا ہی کہوں۔"

"یہ سب اسی کی سازش ہو گی۔" عالم کچھ سوچتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ یافث اس سازش کا پوچھ پاتا اسی پل دروازہ بجنے لگا۔ یافث کھولنے کے لیے اٹھا مگر اس سے پہلے عالم اٹھ چکا تھا۔ اسے یہاں سے یوں بھی فرار چاہیے تھا۔ اسے سانس نہیں آ رہا تھا۔

"میں دیکھتا ہوں۔" باورچی خانے سے نکل کر ہال اور پھر دروازے تک آتے ہوئے وہ تاجور کا خیال جھٹک چکا تھا لیکن دروازے پر کھڑے شخص کو دیکھ کر اس کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔ جبڑے تن گئے، آنکھوں میں سختی اتری اور ماضی ایک بار پھر بیلچے کی طرح منہ پر آ کر لگا۔ دروازے کے سامنے گاڑی کے ساتھ کھڑے مرد کے ہاتھوں میں پھول تھے، لبوں پر مسکراہٹ۔

"ہیلو۔۔۔۔ میں شاہ زید بنگش ہوں۔"

★★★★★★★★★★★

اگر وہ ٹھنڈے اعصاب کا مالک نہ ہوتا تو اس وقت تک وہ شاہ زید کا جبڑا ضرور توڑ چکا ہوتا۔ جو ہاتھوں میں ہلکے آسمانی رنگ کے پھول اور ان کے درمیان سجی ہم رنگ سرورق کی کتاب لیے کھڑا تھا۔ عالمگیر کی سخت نظروں اور

بھینچے ہوئے جبڑے دیکھ کر اسے اتنا اندازہ تو ہو چکا تھا کہ یہاں آ کر اس سے غلطی ہوئی ہے۔اس کا یہ رد عمل تھا تو شاہ ویر کیا کرتا زید اس وقت یہ سوچنا بھی نہیں چاہتا تھا۔وہ زبردستی مسکرایا۔

"انارا۔۔۔وہ میری دوست ہے۔"گلا کھنکھار کر اس نے کہنا شروع کیا۔

"یہ میں اس کے لیے لایا تھا۔"اس نے پھول اس کی طرف بڑھائے۔(لعنت ہو شاہ زید)وہ دل ہی دل خود کو ڈپٹ رہا تھا۔

"انارا میری بھتیجی ہے۔"اس نے پھول لیے اور دوسرے ہاتھ سے انہیں نوچ کر سڑک پر پٹخا۔نگاہ ایک لمحے کے لیے بھی زید سے ہٹی نہیں۔"اور مجھے تمہارا اس کے لیے یہ لانا بہت برا لگا ہے۔"عالم نے جوتوں سے پھولوں کو بری طرح مسلا۔انداز میں ایسی جارحیت تھی کہ زید بے اختیار ٹھٹھکا۔ایک نظر اسے دیکھا پھر پھولوں کو۔"اگر تم دوبارہ مجھے اس محلے میں یا میری بھتیجی کے کہیں آس پاس بھی نظر آئے تو تم چلنے پھرنے کے قابل نہیں رہو گے یہ میرا تم سے وعدہ ہے۔"

زید نے ایک نظر سڑک پر پڑے ہوئے پھولوں کو دیکھا اور دوسری نظر عالمگیر کو۔اسے

طیش بھی آیا اور تاسف بھی ہوا مگر کچھ بھی کہہ کر وہ اپنے بھائی کے لیے مشکلات نہیں کھڑی کر سکتا تھا۔(پہلے ہی اتنی کر دی تھیں)

"آپ کو بُرا لگا ہے تو آئی ایم سوری۔میرا ایسا کوئی مقصد نہیں تھا۔۔"

"مجھے حد سے زیادہ برا لگا ہے اور جب مجھے برا لگے تو مجھ پر معذرت بھی اثر نہیں کرتی۔"مفاہمت، مصلحت یہاں تو کچھ بھی کام نہیں کر رہا تھا۔زید کرے تو کیا کرے؟

اس کے گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی۔پھر وہ ٹھٹھک گیا۔عالم کا چہرہ یہ چہرہ جانا پہچانا کیوں تھا؟"مجھے لگتا ہے میں آپ کو جانتا ہوں۔"

"مجھے آدھالاہور جانتاہے۔وجہ شہرت تین بیویوں کا قاتل تین دفعہ جیل جانے والا عالمگیر یمن۔"

زید ٹھہر گیا۔ذہن میں یکدم جھماکا سا ہوااور اسے ہر تفصیل یاد آتی چلی گئی۔اس نے دفتر میں معتدد مرتبہ یہ نام سنا تھا۔اس آدمی کی تصاویر دیکھی تھیں اور کئی مفروضے بھی سنے تھے۔چند منٹوں کے اندر اندر وہ دو مرتبہ شاہ ویر سے مایوس ہوا تھا۔ایک تنگ نظر اور دقیانوس خاندان کچھ حد تک قابل قبول تھا مگر ایک کرمنل؟اس خاندان کا ایک فرد کرمنل بھی تھا؟

"کوئی تمہاری بھتیجی کے لیے پھول لائے تو تم کو بُرا لگ رہاہے اور تم تین تین عورتوں کا قتل کر دو یہ فیئر ہے؟"

عالم آگے آیا۔اپنا بھاری ہاتھ اس کے کندھے پر رکھااور دو سے تین بار تھپتھپایا۔"مجھ سے عمر میں چھوٹے لوگ اگر مجھے تم کہیں تو مجھے برا لگتاہے۔"

"اور میں یقیناً یہاں تمھارے اچھے اور برے لگنے والے معاملات کی تفصیل پوچھنے نہیں آیا۔"بھاڑ میں گئی بھائی کی محبت اب اس کے وہ کرمنلز سے بھی ہاتھ ملائے؟ہر گز نہیں۔"تمہیں میرا یہاں آنا برا لگاہے اور اب میں اس امر کو یقینی بناؤں گا کہ میرے گھر کا کوئی اور فرد یہاں قدم نہ رکھے۔"

"تمھارے خاندان کے لیے بہت محفوظ فیصلہ یہی ہے۔مجھے سن کر اچھا لگا۔"

کوئی عجیب سا مضمحل پن تھا کوئی کڑواہٹ اور تپش تھی جو ان دونوں کے درمیان آکر کھڑی ہو گئی تھی۔شاہ ویر بنگش اور انارا طارون اگر اپنے خاندانوں کے درمیان تعلق بنانا چاہ رہے تھے تو تعلق بن رہا تھا۔تعصب، نفرت، طیش اور کدورت کا۔ محبتیں تو پھر ہیر رانجھا کی بھی ناکام ہی ہوئی تھیں۔

"ڈسگسٹنگ!"تنفر سے کہہ کر ایک بھی نگاہ غلط اس پر ڈالے بغیر زید اپنی گاڑی کی طرف بڑھ

گیا۔اندر بیٹھ کر گاڑی گھر کے راستے پر ڈالتے ہوئے اس نے شاہ ویر کو کال ملائی۔رابطہ جڑ گیا تو زید کے منہ سے ایک موٹی گالی نکلی۔غصے سے اس کے جبڑے تن رہے تھے اور خلفشار خون تیز ہو رہا تھا۔

"تمھیں پورے لاہور میں یہی گھر ملا تھا رشتے جوڑنے کے لیے؟"

"میں اپنے سسرال کی شان میں القابات بعد میں سنوں گا، تم یہ بتاؤ کام ہوا؟"

اس کی زبان کو لقوہ لگا۔ غصہ اور تنفر جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ "میں نے کیا لیکن۔۔۔۔ " وہ رکا۔ لب کاٹے۔ "دراصل میں فلاور شاپ پر گیا لیکن انہوں نے کہا کہ ان کا ڈیلوری بوائے آج چھٹی پر ہے۔ میں نے سوچا میں خود پھول دے آتا ہوں۔ دروازے پر آراہ کو بلوالوں گا اور۔۔۔۔۔ اور میں وہاں گیا۔"

"لعنت ہو تم پر، زید۔ لعنت ہو۔" شاہ ویر کا دماغ بھک سے اڑا۔ وہ تیزی سے بستر سے باہر نکلا۔ "تم وہاں کیوں پہنچ گئے وہ لوگ ایسی باتوں کا برا مناتے ہیں۔"

"ان کی بیٹی کو پھول ہی دینے گیا تھا ایسی کیا قیامت آگئی ہے اور ایسے ہی لوگ تھے تو تم نے رشتہ جوڑا کیوں؟" جواباً وہ بھی تلخ ہوا۔ "میں نے آراہ کو کتنی کالز کیں مجھے لگا وہ آجائے گی دروازے پر لیکن مجال ہے جو اس نے میری کوئی کال اٹھائی ہو۔"

"دروازے پر کون آیا تھا؟" انا ایک طرف کرتے وہ لیپ ٹاپ پر چلتی کال کے ساتھ ساتھ موبائل پر آراہ کو پیغام لکھنے لگا۔ چہرے پر بے تحاشا اضطراب تھا۔ "یا اللہ ساری مشکلیں میرے لیے کیوں؟"

"اس کا چچا تھا۔ تمھیں پتا بھی ہے وہ کیا کرتا ہے؟ کیا کیا کر چکا ہے؟"

"چاہے اس نے تمھارے باپ کا قتل بھی کیا ہو مجھے اس وقت اس سے بھی فرق نہیں پڑتا۔" شاہ ویر بنگش غرایا۔ اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ زید کا گلا دبا دے۔ "اوہ خدایا تم کیا کر کے آگئے ہو؟"

"ایک لڑکی کے لیے تم ہمارے باپ تک کو درمیان میں لے آئے؟ میری طرف سے جہنم میں جائے وہ لڑکی اور اس کا خاندان۔ جہنم میں جاؤ تم۔ دوبارہ مجھے کال مت کرنا۔" مارے غیض کے اس نے کال کاٹ دی۔ شاہ ویر نے لیپ ٹاپ وہیں رہنے دیا اور آراہ کو کالز ملانے لگا۔ موبائل بج بج کر تھک گا مگر دوسری طرف سے نہ رابطہ ملنا تھا اور نہ ہی ملا۔ وہ سر ہاتھوں میں گرائے بیٹھا رہ گیا۔ ساری دنیا ہی اس کے خلاف ہو گئی تھی۔

دوسری طرف دروازے پر عالمگیر ہنوز اسی طرف دیکھ رہا تھا جہاں شاہ زید گیا تھا۔ اس کے چہرے پر اب بھی تلخی اور کدورت تھی۔ اسی لمحے اسلان نے دروازے سے جھانکا۔ "چاچو کون آیا تھا؟"

اسے اپنی جگہ پر کھڑے ہوئے دیکھ کر وہ آگے آیا۔ اب وہ سڑک پر گرے پھول اور ایک انگریزی کتاب بھی دیکھ سکتا تھا۔ "یہ کون لایا چاچو؟" وہ پنجوں کے بل نیچے بیٹھا اور پھولوں کے درمیان پھنسی کتاب باہر نکالی۔ پھول گھٹنے پر رکھ لیے۔ چہرے پر تجسس تھا۔ یہ کتاب تو کافی اچھی تھی۔ کافی عرصے سے اسے خریدنی تھی۔

"تمہاری بہن کا کبھی نہ ہونے والا شوہر آیا تھا۔"

پھول یکدم اسلان کو کانٹے کی طرح چبھے۔ اس نے گھٹنے پر رکھا گلدستہ واپس زمین پر پھینکا۔ ایک نظر کتاب کو دیکھا اسے پھینکنے ہی لگا تھا کہ رک گیا۔۔۔۔ بچپن میں لڑائی یا مذاق میں بیگ پھینکتے وقت اس نے بھی سنا تھا کہ اس میں اسلامیات کی کتاب ہے۔ گو کہ یہ کتاب اسلامیات کی نہیں تھی لیکن اس میں اللہ کا نام تو ہو گا ناں؟

"اندھوں کی طرح بیٹھے رہے تم لوگ گھر میں ایک بچی تھی اس پر بھی نظر نہیں رکھ سکے۔" اس کے انداز میں اگر کچھ تھا تو محض ملامت۔ اسلان اٹھا، کتاب کو ہاتھ میں یونہی دبوچے رکھا۔ "میرا دل چاہ رہا تھا اسے قتل کر دوں۔"

"اندر چلیں کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔" اسلان نے بات بدل دی۔

"آگ لگے اس کھانے کو۔" عالم پھاڑ کھانے کو دوڑا وہ مڑا اور اس کی طرف دیکھے بغیر تیز تیز

ڈگ بھرتا اندر چلا گیا۔ اسلان اندر جانے سے پہلے پھولوں کو اپنے بوٹ سے مسلنا اور لات مار کر دور اچھالنا نہیں بھولا تھا۔ چہرہ اس کا بھی عالم ہی کی طرح سرخ تھا۔

میز پر بات بدل دی گئی۔ اسلان کے ہاتھ میں موجود کتاب کی بابت کوئی سوال نہیں ہوا۔ کھانا خاموشی سے کھایا گیا اور اس کے بعد آراہ باورچی خانے میں چلی آئی۔ اسلان کتاب لیے اس کے پیچھے گیا۔

"یہ "اس" نے بھجوائی ہے۔" کتاب پٹخنے والے انداز میں سلیب کی طرف اچھالی۔ وہ جو شاہ ویر کی طرف سے بیان

کیاسارا قصہ پڑھ رہی تھی۔ اس افتاد پر اچھل کر سیدھی ہوئی، ہراساں نگاہوں سے اسلان کو تکا۔ "یہ کوئی طریقہ تو نہیں ہے۔ عالم ناراض ہو کر گیا ہے تمھیں کسی چیز سے کوئی فرق پڑ بھی رہا ہے؟" وہ چیخ نہیں رہا تھا البتہ اس کے انداز میں ایک کاٹ سی تھی۔ "اگر اسے شادی ہی کرنی تھی تو اس کو بولو اپنے گھر والے بھیجے یہ قصہ ختم کرواؤ۔ یہ روز روز کی کیا ڈرامے بازی ہے؟"

شاہ ویر سے ہوا جھگڑا، عالم کا رد عمل اور اب یہ کتاب اوپر سے اسلان کے انداز کی یہ کاٹ۔ آراہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی پھر یکدم بلند آواز میں رونے لگی۔ "عالم چاچو نے کہا ہے یہ سارا قصہ ختم کرو۔۔۔۔۔ وہ یہ نہیں سمجھ رہے یہ کوئی قصہ نہیں ہے۔" اس نے چہرہ ہاتھوں میں چھپالیا اور مزید تیزی سے روئے گئی اسلان چپ چاپ اسے دیکھتا رہا۔ چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا۔ "کم از کم تم تو میرا ساتھ دو۔ میں نے پنار اور تمہارا ساتھ دیا تھا۔" اس نے رندھی ہوئی گیلی آواز میں شکوہ کیا۔ اسلان کی نگاہیں نرم ہوئیں۔ اس نے پانی کا گلاس آراہ کی طرف بڑھایا، اس نے نہیں تھاما تو اسلان نے اس کا ہاتھ پکڑ کر گلاس ہاتھ میں دیا۔

"میری بات سنو اگلی بار عالم یا اسکار کوئی بھی تم سے کچھ کہے ان سے کہنا اسلان سے بات کریں اور رونا بند کرو، اس سے مسئلے حل نہیں ہوتے۔" وہ کہہ کر وہاں رکا نہیں تھا۔ نہ اسے کو دلاسا دیا، نہ آنسو صاف کیے بس منظر سے ہٹ گیا۔ لہجے کی نرماہٹ وہیں کہیں بھٹکتی رہی۔

★★★★★★★★★★

کچھ دیر بعد جس وقت عالمگیر اور یافث کھانے کی میز کی گرد کافی کے کپ لیے یقیناً کسی کی غیبت میں مصروف تھے اسی لمحے ان کے عقب میں بیٹھے سہراب کا موبائل جل کر بجھا۔

"مجھے آپ کے پیسوں کی ضرورت نہیں ہے۔"

کوئی بے ساختہ مسکراہٹ تھی جو اس کے لبوں پر دوڑ گئی۔ سہراب نے اپنا کام چھوڑ کر چیٹ کھولی جہاں آخری کال ڈیڑھ ہفتہ قبل کی تھی اور اس کے بعد دوسری طرف سے بھیجی گئی رقم کی کوئی رسید مگر وہاں کچھ اور بھی تھا جسے دیکھ کر ایک پل کو رکا جائے۔ پیغام بھیجنے والے کی شناخت۔ جس سے وہ ہر دفعہ سرشار ہوتا تھا۔

"وائف!"

"مجھے پتا ہے تمھارے کلرک ابا کی پنشن کافی بھاری ہے لیکن تم میری ذمہ داری ہو۔"اس نے واپس لکھ کر بھیجا۔ دوسری طرف فوراً ٹائپنگ کا اشارہ آیا۔ "میں تمہارا شوہر ہوں۔"

"آپ کو پتا بھی ہے کسی کا شوہر ہونا کیا ہوتا ہے؟ کوئی ذمہ داریاں، کوئی حقوق؟"

سہراب نے گہری سانس لی اور مسکراہٹ دبائی جو کہ کسی صورت چہرے سے غائب ہوتی ہوئی نظر نہیں آرہی تھی۔ اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ "میں "کسی" کا کیوں سوچوں مجھے صرف یہ پتا ہے آمنہ شیرازی کا شوہر ہونا کیسا ہوتا ہے۔"

دوسری طرف ٹائپنگ چھوڑ کر اسے کال آنے لگی۔ سہراب نے فوراً کال اٹینڈ کی۔ ہاتھ اٹھا کر عالم سے آہستہ بات کرنے کو کہا۔ جیسے کہ اس نے مان لینا تھا۔

"آپ جان بوجھ کر میرا مذاق اڑاتے ہیں؟" وہ چھوٹتے ہی غصے سے پھنکاری۔

"ایک منٹ یہ لاعلمی میں کون سا مذاق اڑایا جاتا ہے؟" سہراب اسے مکمل طور پر زچ کرتا نظر آیا۔ "میں کل آتا ہوں تمہاری طرف پھر تفصیل سے بتانا، مذاق کی کتنی قسمیں ہوتی ہیں۔ آجاؤں؟"

"عالم آگیا ہے ناں؟" سہراب کی پچھلی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے اس نے پوچھا۔ دوسری

طرف اب عالم اسی طرف دیکھ رہا تھا۔ سہراب کی آنکھیں بتا دیتی تھیں رابطہ کس طرف سے ہوا ہے۔

"اس نے آنا ہی تھا۔" وہ سنبھل کر بولا۔

"آپ کی زندگی میں سب آجاتے ہیں، ایک میں ہوں جسے چھوڑ کر آپ بہت خوش ہیں۔ اپنے بھائی کی بہت پرواہ ہے آپ کو اپنا بھتیجا بھی عزیز ہے کبھی میرے بارے میں سوچا؟ یہ چند ٹکے بھیج کر کیا جتانا چاہ رہے ہیں آپ؟" وہ جو بھری بیٹھی تھی بولتی ہی چلی گئی۔

"یہ تمھارے لیے چند ٹکے ہوں گے میرے لیے میرا فرض ہے۔ تم بیوی ہو میری، میرے علاوہ کسی اور سے رقم کیوں لو گی ؟اور جہاں تک بات ہے پرواہ کی تو مجھے اور اپنے گھر کو چھوڑ کر تم گئی تھیں۔ میں نے تمھیں نکالا نہیں ہے۔" سہراب تحمل سے بولا۔

"تو کیا کروں اس گھر میں رہوں جہاں میری بہن کا قاتل رہتا ہے ؟" وہ بلند آواز میں بولی۔ "اس نے کس بے دردی سے میری بہن کو مار دیا آپ اب بھی اسے ہی درست سمجھتے ہیں۔ وہ تین تین عورتوں کا قاتل آپ کو صحیح لگتا ہے ؟"

"اس کے خلاف کوئی ثبوت نہیں ہے۔" سہراب کا لہجہ مضبوط تھا۔

"ثبوت تو اس بات کا بھی نہیں ہے کہ وہ قاتل نہیں ہے۔ آپ اپنے اندر کے پولیس والے کو

چھوڑ کر ہمارے تعلق کو کیوں نہیں چن لیتے ؟"

"آمنہ میرا دماغ خراب مت کرو۔ میں اپنے بھائی کی سائیڈ نہیں لے رہا لیکن اگر اس کے خلاف ثبوت نہیں ہیں تو وہ قاتل نہیں ہے۔ چاہے اس نے تمہاری بہن کو مارا ہو چاہے آدھی دنیا کو۔" سہراب نے تلخی سے کہہ کر بغیر کچھ سنے کال کاٹ دی۔ اب وہ انگلیوں کے پوروں سے اپنی کنپٹی سہلا رہا تھا۔ وہ کچھ تلخ نہیں کہنا چاہتا تھا۔ اس لیے اس نے کال کاٹ دی مگر اب غصہ بھی آ رہا تھا۔ عالم اسے دیکھ کر شیطانی انداز میں مسکرایا۔ یافث کی اپنی جرات تو تھی نہیں اس نے عالم کو ٹہوکا دیا۔

"پوچھو ناں کیا بات تھی؟"

"کیا کہہ رہی تھی آمنہ ؟" عالم نے اسے دیکھ کر پوچھا۔

"ہر دفعہ کی ڈرامے بازی۔ اب میں اسے کال ہی نہیں کروں گا۔" وہ فیصلہ کرتے ہوئے اٹھا اور کمرے کی طرف بڑھا۔ "زندگی عذاب ہو کر رہ گئی ہے۔"

یہ قیام کیسا ہے راہ میں، تیرے ذوق عشق کو کیا ہوا؟

ابھی چار کانٹے چبھے نہیں، تیرے سب ارادے بدل گئے؟

عالم کے شعر کہنے پر سہر اب بل کھا کر پلٹا۔ چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

"اپنا منہ بند رکھو خبیث آدمی میں تمہارا منہ توڑ دوں گا۔"

"بیوی پر تو چلتی نہیں عالم کا منہ توڑے گا۔" وہ چمک کر بولا۔ "اچھا ایک اور شعر سنتے جاؤ۔۔۔"

اس وقت سہر اب کو احساس ہوا اگر عالمگیر اس کا بھائی نہ ہوتا تو وہ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا۔ ضبط کرتے ہوئے اندر کمرے کی طرف جاتے، آمنہ کا غصہ چھوڑ وہ عالمگیر پر سیخ پا ہو چکا تھا۔ اس کے عقب میں عالم اپنے مقصد میں کامیاب۔ یافث اور وہ اب ٹھٹھے لگا رہے تھے۔

★★★★★★★★★★★

("تمہیں ایسا نہیں لگتا کہ ان دونوں نے ایک غلط فیصلہ کیا؟" وہ اداس اداس دکھائی دے رہی تھی۔

"فیصلہ نہیں وقت غلط تھا۔ کوئی دور تھا، جب وہ دونوں ہر قید سے آزاد تھے۔" کافی کا کپ لیے وہ کمرے میں ایک طرف رکھے ہوئے صوفے پر آکر بیٹھا۔

"اچھا وہ کیسا وقت تھا؟" وہ اشتیاق سے آگے کو ہوئی۔ (قصہ گو اپنی کہانی کی اوراق پلٹنے لگا۔)

★★★★★★★★★★

ان دونوں کے مابین سرخ سیڑھیوں کی ملاقات کے بعد کوئی ایسا معاہدہ نہیں طے پایا تھا کہ

انارا طارون اور شاہ ویر بنگش براڈوے کے تھیٹر ساتھ جائیں گے یا پھر شاہ ویر بنگش اسے لینے آجائے گا، یا انارا اس کا انتظار کرے گی۔ ہر عہد و معاہدے سے بر طرف شاہ ویر شام چار بجے سرخ سیڑھیوں پر موجود تھا اور انارا طارون

اسے بھیڑ میں سامنے سے آتی ہوئی دکھائی دی۔ اسے علم نہیں تھا وہ آئے گی۔ وعدہ اس کی طرف سے بھی نہیں تھا اور یہاں آنے پر اختیار بھی نہیں۔

"مجھے لگا تم نہیں آؤ گی۔" وہ شاہ ویر کے سامنے آکر رکی تو وہ گہرا مسکراتے ہوئے بولا۔

"اور مجھے لگا آپ نہیں آئیں گے۔" آراہ مضمحل سی ہوئی۔ بال کانوں کے پیچھے اڑسے، ہاتھ چہرے پر پھیرا اور اسے دیکھنے کی کوشش کی مگر۔۔۔۔۔ لودیتی نظریں وہ بے اختیار نظریں ہٹا گئی۔

"تمھیں بلوا کر خود نہ آؤں یہ تو بہت غلط ہو جائے گا۔" وہ اس کے ساتھ آکر ٹھہرا پھر اسے آگے چلنے کا اشارہ کیا۔ وہ دونوں ٹائم اسکوائر کے ہجوم میں ایک ساتھ قدم اٹھانے لگے۔ آس پاس وہی معمول کی رونق اور شور تھا۔ شاہ ویر نے آج آسمانی رنگ کا وی نیک سوئیٹر پہنا تھا، ساتھ سفید سلیکس۔ "تم کہاں رہتی ہو؟"

"اپنے بابا کے ساتھ، یہاں سے کافی دور ہے میرا گھر۔" اس گھر کو میرا گھر کہتے ہوئے بھی برا لگ رہا تھا۔ "میں یہاں ایک میڈیکل ٹریٹمنٹ کے لیے آئی ہوئی ہوں۔"

"اوہ۔۔۔۔ سب ٹھیک ہے ناں؟" وہ یکدم متفکر نظر آنے لگا۔

آراہ نے اپنی کہنی اٹھا کر اسے دکھائی۔ جو پوری طرح اوپر نہیں اٹھ پا رہی تھی۔ شاہ ویر نے ٹھہر کر دیکھا۔ ایسی مکمل توجہ، ایسا متفکر انداز انا راطارون کے لیے یہ مرد ایک الگ ہی قسم تھا۔ چچا، ماموں، اسلان وہ اچھے تھے۔ خیال رکھتے تھے لیکن ایسی مکمل توجہ تو اسے کبھی نہیں ملی تھی۔ وہ ٹھہر کر اسے دیکھے گئی۔

"کیا میں دیکھ سکتا ہوں؟" وہ ایک بار پھر اسی مہذب انداز میں اجازت مانگ رہا تھا۔ آراہ نے محض سر ہلا دیا۔ شاہ ویر نے اس کا بازو کہنی سے ہلکا سا اٹھایا۔ پھر اسے اوپر کیا اور اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ "درد ہو رہا ہے؟"

"نہیں درد نہیں ہوتا۔" الفاظ سینے میں کہیں مقید رہے تھے آج انہیں آزادی ملی۔ "بس اوپر نہیں اٹھتا میرا بازو۔" لوگ آ جا رہے تھے، کام ہو رہے تھے لیکن یہ شخص جو ساتھ کھڑا تھا اس نے ایک لمبا عرصہ یہیں رہنا تھا قریب، بے حد قریب۔

"اور ایسا کب سے ہے؟" شاہ ویر تھوڑا سا پیچھے ہوا اور اس کا بازو لمبا کر کے دیکھنا چاہا لیکن نہ ہو سکا۔ وہ ایک جگہ جامد تھا۔ اس نے زندگی کے اتنے سال ایک معذوری کے ساتھ کیسے گزارے ہوں گے؟

"پیدائشی طور پر۔" تین الفاظ دقت سے گھسیٹے۔

شاہ ویر نے دھیرے سے اس کا بازو چھوڑ دیا۔ "تمہارے ڈیڈ نے کسی ڈاکٹر سے بات کی ہے؟" وہ اب دوبارہ اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا تھا۔ شو شروع ہونے میں ابھی بھی ڈیڑھ گھنٹہ باقی تھا۔ وہ دونوں آرام سے تھیٹر جا سکتے تھے۔

"ایک دو دن میں کر لیں گے۔"

"اگر تمھیں برا نہ لگے تو کیا میں ایک مشورہ دے سکتا ہوں؟" جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالتے اس نے گردن پھیر کر اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ گہری کتھئی آنکھیں ہیزل آنکھوں سے ملیں۔ ان میں بہت کچھ تھا۔ پرواہ، ملال، شاید ملائمت بھی۔ آراہ نے بے اختیار نظریں چرائیں۔

"نہیں مجھے کیوں برا لگے گا آپ کہیں۔"

"میں ایک ڈاکٹر کو جانتا ہوں کل میں تمھارے گھر آ جاتا ہوں۔ پھر تمھارے فادر اور میں دونوں اس کے پاس چلتے ہیں۔ تم بالکل ٹھیک ہو جاؤ گی۔ یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔"

"آپ کو خوامخواہ زحمت ہو گی میں مینج کر لوں گی۔"

ہر لکھاری کی طرح شاہ ویر بنگش کی چھٹی حس اور لوگوں کو پڑھنے کی صلاحیت اچھی تھی۔ اس

کا چہرہ، اپنی معذوری کے بارے میں بات کرتی ہوئی اس کی آنکھیں نہ کہتے ہوئے بھی بہت کچھ کہہ گئیں۔ لکھاری سے راز چھپا کر دکھا دے کوئی۔

"مجھے کوئی مسئلہ نہیں ہو گا، اگر تم چاہو تو۔۔۔۔۔ مجھے اچھا لگے گا تمھارے ساتھ چل کر۔"

وہ اس قدر مان اور اعتماد سے کہہ رہا تھا کہ انارا طارون اسے انکار کر ہی نہ سکی۔

("ان دونوں کو کیا چیز جوڑ رہی تھی میں سمجھ نہیں پا رہی۔"

قصہ گو ہلکا سا مسکرایا۔ کافی کا لمبا گھونٹ بھرا پھر اسے دیکھا۔ "خریداری کرنے جب باہر جایا جاتا ہے تو انسان ہر اس شے کو رد کر دیتا ہے۔ بڑی ہی بے نیازی سے آگے بڑھ جاتا ہے اس شے سے جو پہلے سے اس کے گھر پر موجود ہو۔ اسی طرح جب کوئی ٹین ایجر بچہ گھر سے باہر نئے تعلقات بناتا ہے تو وہی چیز ڈھونڈتا ہے جو اسے گھر پر نہیں ملی۔"

"انارا طارون کو اپنے گھر پر کیا نہیں ملا؟ اس کے اپنے اتنی محبت کرتے ہیں۔"

"اسے مکمل توجہ نہیں ملی۔"

"لڑکیاں چاہے جتنا مرضی کہہ لیں کہ وہ پریکٹیکل ہیں آگے بڑھ آئی ہیں۔ اب ان کے اندر بچپنا نہیں رہا لیکن اندر کہیں نہ کہیں وہ ایسا شخص ڈھونڈ رہی ہوتی ہیں جو بغیر بور ہوئے انہیں سنے۔ جج نہ کرے، وہ روئیں تو دلاسا دے، عورت ہمیشہ ایک مرد کی "کل کائنات" بننا چاہتی ہے اور شاہ ویر بنگش نے اسے بتایا کہ کسی مرد کی کُل کائنات ہونا کیا ہوتا ہے۔"

)"کیا ہوتا ہے؟" وہ ٹھوڑی ہتھیلی تلے ٹکائے دلچسپی سے پوچھنے لگی۔)

شو شروع ہونے میں بس دس منٹ باقی تھے۔ وہ دونوں اگلی رو میں بیٹھے تھے۔ بچپن سے لے کر اب تک اس کے کچھ صنف مخالف دوست رہے تھے، کچھ کلاس فیلوز سے اب بھی رابطہ تھا لیکن شاہ ویر کے ساتھ یہاں تک آجانا عجیب اور خوبصورت ایک ساتھ تھا۔ عجیب یوں کہ جنس مخالف کے دوستوں سے اس کا رابطہ محض چند پیغامات یا پھر سارے دوستوں کے ایک ساتھ ملنے تک تھا اور اس کا یہ میل ملاپ بھی سہراب اور یافث کو کچھ خاص پسند نہیں تھا۔ خوبصورت یوں کہ وہ لڑکا جس کے لیے آدھے ملک کی لڑکیاں پاگل ہو رہی تھیں وہ اس کے ساتھ بیٹھا تھا۔ اپنی ساری توجہ اسی پر مرکوز کیے، اسے سنتا اور اسے بہت کچھ سناتا ہوا۔ اس کی پسند کے پاپ کار نزلاتا

ہوا۔ انارا اتنی سمجھدار تو تھی کہ اس نظر التفات کا مطلب سمجھ سکے۔

"آپ کے پاس دو ٹکٹس ہیں دوسری کس کی تھی؟"

شاہ ویر بے ساختہ ہنس پڑا۔ اس کے ذہن میں شاہ زید آیا۔ جو دونوں بازو پہلوؤں پر رکھے خفگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ "تم ہر دفعہ لڑکی کے چکر میں مجھے ڈاج دیتے ہو۔ یہ میری ٹکٹ ہے یار۔"

"میرے بھائی کی ٹکٹ ہے وہ آج مصروف تھا۔" اسے کہنا یہی چاہیے تھا لیکن لکھاری کو لفظوں میں ملکہ حاصل ہوتا ہے۔

"میں نے ایک ایکسٹرا ٹکٹ لیا تھا شاید مجھے الہام ہوا تھا کہ مجھے ایک بہترین کمپنی ملے گی۔"

وہ جھینپ گئی۔ رخسار بے اختیار گلابی پڑے۔ اسی پل روشنیاں مدھم کر دی گئیں یہاں تک کہ ہاتھ کو ہاتھ بھی سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ چبوترے کے عین درمیانے حصے پر روشنی کا دائرہ آگیا۔ براڈوے کا تھیٹر آرٹس کے شوقینوں کے لیے نری جنت ہے۔

"تم نے میری کتنی کتابیں پڑھی ہیں؟" شاہ ویر ہلکی آواز میں اس سے پوچھ رہا تھا۔ انہیں ملے ہوئے تین سے زائد گھنٹے ہو چکے تھے اور آراہ نے اب تک اس سے اس کی کسی کتاب کے متعلق کچھ نہیں پوچھا تھا۔ یہ پہلی بار تھا۔

"میں نے۔۔۔۔۔" وہ اٹکی۔ "تقریباً ساری۔"

"میں نے کتنی کتابیں لکھی ہیں؟" اس کا چہرہ نیم اندھیرے میں بھی خوبرو دکھائی دیا۔

"تین۔" آراہ کا جھجکنا، اٹکنا اور بار بار اپنے بال کان کے پیچھے اڑسنا اس کی زیرک آنکھوں سے کچھ بھی مخفی نہ رہ سکا۔ شاہ ویر چپ ہو گیا۔ اب وہ دونوں چبوترے پر چلتا شو دیکھ رہے تھے۔ ہر ہر شے با کمال تھی۔ جملے، اداکاری، ہنسی، رونا، سب کچھ اتنا خوبصورت تھا کہ وہ مبہوت رہ گئی۔ اس نے زندگی میں بہت ساری ایسی چیزیں دیکھی تھیں جو اسے مسمرائز کریں لیکن یہ تجربہ اتنا بہترین تھا کہ وہ اسے آدھی زندگی نہیں بھولنے

والی تھی۔

شو دیکھنے کے بعد جب وہ دونوں باہر آئے تو شاہ ویر نے اسے کھانے کی پیشکش کی جسے اس نے محتاط انداز میں ٹھکرا دیا۔ ”تم نے میرا سنیما پلے دیکھا ہے؟“

”بہت بار، آپ کا کام بہت اچھا ہوتا ہے۔“ شاہ ویر نے سر کو خم دیا۔ رات اتر آئی تھی اور روشنیاں بے تحاشا بڑھ گئی تھیں۔ ہلکی ہلکی برف باری بھی ہونے لگی تھی۔ سڑکوں کے کنارے لگے فون بوتھ پر برف کی تہہ لگتی جا رہی تھی۔

”تمہارا پسندیدہ کونسا ہے؟“

”سڈنی اینڈ سوئیزر لینڈ۔“ آراہ نے اس کی ایک مختصر فلم کا نام لیا۔

”اس پر کافی تنقید ہوئی تھی لیکن وہ میری پسندیدہ فلم ہے۔“

”لوگوں کا کام ہے تنقید کرنا آپ اس پر دھیان نہ دیا کریں۔“ شاہ ویر نے ایک بار پھر محض سر ہلا دیا۔ وہ بے حد مطمئن انداز میں اس کے ساتھ چل رہا تھا، باتیں کر رہا تھا۔ زیادہ سے زیادہ وقت اس کے ساتھ گزارنے کے لیے ذہن میں جوڑ توڑ کر رہا تھا۔ کہیں کسی پرفیوم سٹور کے باہر کسی کافی شاپ کے سامنے کھڑے ہو کر اس نے کتنی دفعہ ان کی شان میں بہت کچھ کہا۔ آراہ یا شاہ ویر ان دونوں کو ایسا محسوس ہی نہیں ہو رہا تھا کہ ان کی باقاعدہ طور پر پہلی ملاقات ہے۔

”میری گاڑی یہیں نزدیک پارک ہے، میں تمہیں گھر چھوڑ دوں؟“

”میں ٹیکسی لے لوں گی۔“ اس نے اپنے پرس سے چھوٹا سا نوٹ پیڈ اور ڈائری نکالی۔ ”کیا مجھے آپ کا آٹو گراف مل سکتا ہے؟ اور ایک تصویر بھی۔“ وہ دونوں چلتے چلتے بس اسٹاپ کی طرف آ گئے تھے۔

”شیور۔“ شاہ ویر نے آٹو گراف لکھ دیا۔ پھر اس کا موبائل ہاتھ سے لیا۔ وہ دونوں روڈ پیومنٹ پر کھڑے تھے۔ شاہ ویر نے کیمرہ کھولا اور اس کے سامنے آ کر ٹھہرا۔ وہ قد میں اس سے کافی چھوٹی تھی تصویر میں وہ اس کے کندھے

تک آ رہی تھی۔ شاہ ویر پیومنٹ سے ہٹ کر سڑک پر آ گیا۔ اب اس کا اور شاہ ویر کا چہرہ ایک بہترین زاویے پر دکھائی دے رہا تھا۔ موبائل کے چوکھٹے میں ایک ساتھ نظر آتے وہ کتنے اچھے لگ رہے تھے؟

پھولے گالوں والی لڑکی اور اس کے ساتھ کھڑا وجیہہ نقوش والا لڑکا۔

اس نے دو سے تین تصاویر اتاریں۔ سارے میں وہ پہلی بار بہت دل سے مسکرائی، آنکھیں چمکیں، گال مارے مسرت کے دہکنے لگے۔ وہ لوگوں سے کدورت اور جلن رکھتا تھا لیکن آراہ کی یہ مسکراہٹ جس کے لیے بھی تھے شاہ ویر بنگش اس سے حسد کا دعویدار تھا۔

"سڈنی اور سوئیزرلینڈ میرا واحد کام تھا جس پر کبھی کوئی تنقید نہیں ہوئی۔" موبائل اسے واپس دیتے ہوئے وہ بے حد عامیانہ انداز میں بولا۔ آراہ دھک سے رہ گئی۔ دل ایک پل کے لیے دھڑکنا بھول گیا۔ "اور یہ میرا واحد کام ہے جس سے مجھے چڑ ہے اور میں نے اپنے ہر انٹرویو میں اس پر تنقید کی ہے۔"

موبائل لیتے ہوئے اس کے دونوں ہاتھ کپکپا رہے تھے۔ چہرے پر ایک رنگ آ اور دوسرا جا رہا تھا۔ شاہ ویر انہی نرم نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ جن میں محض اطلاع تھی۔

"تم میری فین نہیں ہو ناں، انا راطارون؟"

سڑک پر گزرتا ٹریفک، سٹریٹ لائٹس کی روشنیاں، ڈھیر سارا شور سب ساکت ہو گیا۔ سب، سب، سب۔

("کیا وہ واقعی اس کی فین نہیں تھی؟" عورت ٹھٹھک سی گئی۔)

قصہ گو نے مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔ "نہیں۔"

"پھر شاہ ویر نے کیا کیا؟"

("وہی جو ہر محبت میں مبتلا مرد اپنی کُل کائنات کے لیے کرتا ہے۔")

اس رات براڈوے شو کے بعد وہ اسے گھر چھوڑ آیا۔ راستے میں انارا کی زبان تالو سے چپکی رہی۔ شاہ ویر نے گاڑی سے اترنے سے پہلے اس کا نمبر مانگا تو اس نے خاموشی سے دے دیا۔ اس رات ان کی رات گئے تک بات ہوتی رہی۔ وہ ہر فن مولا تھا۔ فلم، ڈرامہ، آرٹس، فیشن، گوسپ، طب وہ کسی بھی معاملے میں کوئی بھی بات کر سکتا تھا۔ بات کرنا کوئی کمال نہیں وہ کمال تحمل سے، بے حد توجہ سے اس کی ہر بات سن بھی رہا تھا۔ ایک دو بار جب وہ اٹکی تو شاہ ویر نے اسے ایسی روانی دی کہ کئی لمحے وہ یہ نہیں سمجھ پائی کہ یہ شخص محض چند گھنٹوں میں اس کے اتنے قریب کیسے آ گیا تھا؟ یہ پہلی ملاقات اور چند گھنٹوں کا ساتھ ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

چند دن بعد وہ انارا کے گھر کے باہر کھڑا تھا۔ جب اس نے فون پر یہ بتایا تو انارا کی سٹی گم ہوئی۔ وہ اپنی سفید پورشے سے ٹیک لگائے، موبائل کان سے لگائے اس کی طرف دیکھتے ہوئے ہاتھ ہلا رہا تھا۔ آراہ کے ہاتھ پیر تو اب صحیح معنوں میں پھول گئے۔ وہ اس جگہ کھڑا اتنا شاہانہ کیوں لگ رہا تھا؟

وہ واپس کمرے میں آئی۔ نائٹ سوٹ بدل کر جلدی جلدی سادہ ٹی شرٹ اور ٹراؤزر پہنا۔ بالوں کو یونہی کھلا چھوڑے نیچے چلی آئی۔

"تم نے مجھے بتایا نہیں کہ تم آ رہے ہو۔" وہ بوکھلائی ہوئی لگ رہی تھی۔ جلدی جلدی میں منہ دھوتے وہ کل رات والا مسکارا بھی نہیں مٹا سکی تھی۔

"تم نے مجھے بتایا نہیں کہ تم بے مروت ہو۔ اب کیا گھر بھی نہیں بلاؤ گی؟" وہ چشمہ اتار کر گلے میں اٹکاتے ہوئے بشاشیت سے بولا۔ وہی جو اس کا خاصہ تھی۔ آراہ اسے نہیں اس کے کندھے پر پڑی بِلی کو دیکھ رہی تھی اور دل ہی دل میں ہول بھی رہی تھی۔ "تم نے خوامخواہ چینج کر لیا، اسٹر ابری والا نائٹ سوٹ تم پر زیادہ اچھا لگ رہا تھا۔"

آراہ جھینپ گئی۔ شاہ ویر کھڑے کھڑے اس کا بسمل ہوا۔

"ڈیڈ تمھیں جانتے نہیں ہیں۔" انگلیاں چٹخاتے ہوئے اس نے جھجھک کر کہا۔

"ایک بار ملوا دو اس کے بعد بھولیں گے نہیں۔" وہ اپنے کندھے پر سوئی بلی کو تھپکتے ہوئے بولا۔

"میرا مطلب ہے کہ انہیں یہ نہیں پتا کہ تم اتنے مشہور آدمی ہو۔وہ فلمز اور کتابوں کے بارے میں زیادہ نہیں جانتے۔" وہ کہہ شاہ ویر سے رہی تھی مگر اس کی ناگوار نظریں اس سفید

بلی پر جمی تھیں۔

"تم پلیز انہیں کچھ مت بتانا ورنہ۔۔۔۔پھر وہ ہر وقت تمہارا پوچھتے رہیں گے۔تم صرف یہ کہنا کہ تم میرے دوست ہو۔"

"اوکے جو تم کہو۔" وہ کہہ کر چپ ہوا۔پھر آراہ کو دیکھا وہ شاید اسے گھر نہیں بلانا چاہ رہی تھی۔شاہ ویر سمجھ سکتا تھا۔"اپنے ڈیڈ کو بلوالو، میں نے ڈاکٹر سے آج کا اپائنٹمنٹ لیا ہے۔"

"تم سے ایک بات پوچھوں؟" وہ اس کی پچھلی بات نظر انداز کر گئی۔

"میں تمھارے لیے یہ سب کیوں کر رہا ہوں یہی ناں؟" شاہ ویر بھانپ گیا۔انارا نے اثبات میں سر ہلایا۔"تم شاید بھول گئی ہو لیکن مجھے یاد ہے مری کی وہ گلی جس میں تم نے میری مدد اور باڈی شیمنگ کی تھی۔"

چند لمحوں کے لیے وہ باقاعدہ سناٹوں میں آ گئی۔

"اوہ مائی گاڈ وہ تم تھے؟"

"جی مادام وہ میں تھا۔اسی دن سوچا تھا کسی دن ضرورت پڑی تو میں تمہاری مدد ضرور کروں گا۔" وہ بالکل متحیر سی اسے تک رہی تھی۔"تم مجھے چھ ماہ پہلے سے یاد ہو۔اس کے بعد مری کی وہ بک سائننگ یاد ہے؟ نہیں یاد ہو گی مجھے یاد ہے کیونکہ تم نے وہاں بھی مجھے نظر انداز کیا تھا۔کسی احمد کے لیے۔" احمد کا نام آتے وہ اپنی ناگواری چھپا نہیں سکا۔آراہ یک ٹک اسے دیکھ رہی تھی۔

"کیا ہوا ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟"

اس نے بہ دقت آنسوؤں پر بند باندھا۔"تھینکیو۔"

شاہ ویر مدھم سا مسکرایا۔ ”جاؤ لڑکی اپنے ابا کو بلا کر لاؤ۔ لوگ دیکھ رہے ہیں مجھے بدنام کرواؤ گی۔“

وہ اس کے لیے ہر وہ کام کر رہا تھا جس سے اس معاشرے میں اشارہ دیا جاتا ہے کہ مرد آپ کے ساتھ سنجیدہ ہے اور کسی قسم کا تعلق استوار کرنا چاہتا ہے۔ انارا جس معاشرے سے تھی وہاں تو نکاح ہو جانے تک بے یقینی ہی رہتی تھی۔ لیکن یہ آدمی نرا تحفظ تھا۔ وہ قریب آ چکا تھا۔ اتنا کہ اب اگر اسے کسی تقدیر یا خطے نے دور کیا تو زندگی میں خلا رہ جائے گا۔

”میں ڈیڈ کو بلا کر لاتی ہوں۔“ بہت کچھ کہنے کا ارادہ ترک کر کے بس اتنا کہہ کر وہ ہٹ گئی۔ اندر ہی اندر اسے حد درجہ شرمندگی ہو رہی تھی۔ کاش وہ اسے گھر بلا سکتی۔ وہ اس کے بارے میں کیا سوچ رہا ہو گا؟ کیا وہ تھوڑا سا تیار ہو کر نہیں سو سکتی تھی، سٹار پلس کی بہوئیں بھی تو چار چار کلو میک اپ مل کر سویا کرتی تھیں۔ اسٹرابیری والے سوٹ میں کیا وہ واقعی اچھی لگ

رہی تھی؟ گھر کے اندر جاتے جاتے وہ بلش کر گئی۔

تھوڑی دیر بعد وہ شجاع کے ساتھ واپس آئی تو ڈھنگ کے کپڑے پہنے تھے۔ شاہ ویر اچھے سے ان سے ملا، بات چیت ہوئی اور شاہ ویر کا تعارف انارا کے دوست کی حیثیت سے ہوا۔ شجاع اس ملک میں رہتے ہوئے یہیں کے خیالات دماغ میں بٹھا گیا تھا۔ ان کی دوسری بیٹیوں کے بوائے فرینڈ تو گھر تک آتے تھے۔ یہ تو پھر دوست تھا اور مدد کر رہا تھا۔ انہیں شاہ ویر سے کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ اس کی گاڑی اور امارات دیکھنے کے بعد تو بالکل نہیں۔

ڈاکٹر نے اسے چند ہفتے بعد سرجری کی تاریخ دی۔ جس کام کے لیے وہ تین ماہ سے خوار ہو رہی تھی شاہ ویر نے اسے تین دن میں کر دیا۔ شجاع کی جس توصیفی نگاہ کے لیے وہ ہمیشہ ترستی رہی۔ وہ آج شاہ ویر کے توسط اسے نصیب ہو چکی تھی۔ ہاں وہ اس کی مداح نہیں تھی، لیکن آج وہ اس کی احسان مند ہو گئی تھی۔ وہ اس کی زندگی کے ایسے ایسے خانے پُر کر رہا تھا جن کے خالی پن سے بھی وہ ناواقف تھی۔ مڈل کلاس لڑکیوں کو بچپن سے ان کی زندگی کا bare minimum بھی نہیں ملا ہوتا اور جب کوئی انگوٹھے کے ناخن جتنا احسان یا محبت جتا دیں تو ان کا دل اس شخص کے تابع ہو جاتا ہے۔

ہسپتال سے واپسی پر وہ سارا راستہ خاموش رہی۔شاہ ویر اور شجاع کی اچھی خاصی بن چکی تھی۔جب اس نے ان دونوں کو گھر کے باہر چھوڑا تب آراہ اس کی طرف سے کھڑکی کے شیشے کی طرف آن کھڑی ہوئی۔شجاع آگے بڑھ گیا مگر آراہ کو لگا تھا ان کتھئی آنکھوں سے آگے بڑھ جانا غلط ہو گا۔

"سمجھ نہیں آرہی کس کس چیز کے لیے شکریہ کہوں۔"گیلی ممنون نگاہیں اٹھائے وہ اسے جس طرح دیکھ رہی تھی شاہ ویر سارے کا سارا اسیر ہوا۔

"کل میرے ساتھ ڈنر کرنے چلو،مجھے بتاؤ تم میری فین کیوں نہیں ہو،مجھے بتاؤ احمد کون ہے یقین مانو میرے جیسا اچھے آدمی کے ہر احسان کا مداوا ہو جائے گا۔"وہ اپنی بلی کی پیٹھ سہلاتے ہوئے بولا۔شاید وہ بیمار تھی اس لیے شاہ ویر اسے اپنے ساتھ لیے گھوم رہا تھا۔"کل شام پانچ بجے؟"

وہ ہولے سے ہنس پڑی۔شاہ ویر اس کے ساتھ مسکرایا۔نیویارک کی ساری روشنیاں ان کے گرد حالہ بناتی گئیں۔"پلیز مسکراتی رہا کرو۔کچھ لوگوں کا دن بن جاتا ہے۔"

"کل شام پانچ بجے۔"وہ مسکراتے ہوئے پیچھے ہٹی۔

"کیا میں اسے ہماری ایک نارمل کپل میٹینگ سمجھ سکتا ہوں؟"اسٹیئرنگ وہیل پر انگلیاں گھماتے وہ آراہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔"کوئی بات نہیں اگر تم صرف ایک کافی سمجھنا چاہتی ہو تو کوئی بات نہیں، میں بس اپنی نیت واضح کر رہا ہوں یہ نہ ہو کل میری

ایفرٹس کے بدلے تم مجھے بھائی بنالو۔"

وہ ایک بار پھر ہنس پڑی۔شاہ ویر اب اس سے کچھ اور بھی کہہ رہا تھا اور وہ گاڑی کے شیشے پر ہاتھ رکھے ہنستی چلی گئی۔

("مجھے نہیں پتا تھا مرد اپنی محبت کے لیے اتنا کچھ کر سکتا ہے۔"عورت نے جھرجھری لی۔)

("محبت تجسس اور خوش آمد کی ایک نئی "فارم" ہے۔ مرد ہو یا عورت جو کوئی بھی اس نشے میں مبتلا ہوتا ہے اس کے لیے باقی ساری دنیا بے معنی نہ بھی ہو تو اہمیت کے دائرے مختصر ہونے لگتے ہیں۔")

ٹھنڈی کافی کے تین چار مگ گاڑی میں رکھے وہ اگلے دن انارا کو لیے بروکلین برج کی طرف آ گیا تھا۔ شام کا سمے تھا۔ جگمگ کرتی روشنیوں نے ہر طرف اجالا پھیلا رکھا تھا۔ انارا سفید شرٹ کے اوپر زمرد رنگ کا ٹرینچ کوٹ پہنے ہوئے تھی جبکہ شاہ ویر نے سیاہ شرٹ کے ساتھ وی نیک بٹن سوئیٹر اور سفید جینز پہنی تھی۔ تیز ہوا ان کے لباس اڑا رہی تھی۔ کافی کے مگ تھامے وہ دونوں ایک ساتھ کھڑے تھے۔

"تم نے اس دن کوئی پرفیوم کیوں نہیں خریدا؟ حالانکہ تم باہر کھڑے ہو کر دیکھ بھی رہی تھیں۔" وہ اس دن کا حوالہ دے رہا تھا جب وہ دونوں ٹائم اسکوائر پر پہلی مرتبہ ملے تھے۔

"مجھے پرفیومز سے الرجی ہے، لیکن میں خریدتی بھی ہوں کیونکہ مجھے پرفیومز جمع کرنے کا بہت شوق ہے۔"

ذرا فاصلے پر کہیں کسی میدان میں ایک شادی کی تقریب ہو رہی تھی۔ وہ دونوں یہاں اونچائی پر کھڑے ہو کر تقریب دیکھ پا رہے تھے۔ دلہن دولہے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ آسمان میں آتش بازی ہونے لگی۔ سارا آسمان روشن اور تاریک ہونے لگا۔

"انارا۔۔۔۔۔۔" رخ مکمل اس کی طرف موڑے اس نے مدھم آواز میں پکارا۔ "احمد کون ہے؟" کافی کا گھونٹ بھرتے ریلنگ سے ٹیک لگا کر کھڑے ہوئے وہ ترچھا ہو کر کھڑا تھا۔

انارا نے آتش بازی سے نگاہیں ہٹا کر اسے تکا۔ "میرا بڑا بھائی۔" کہتے ہوئے بھی حلق رندھ گیا۔ لب کاٹے اور گردن جھکا دی۔ شاہ ویر کے سینے سے ہر بوجھ ہٹ گیا۔ "ہمارے درمیان بہت مسائل ہیں۔ وہ مجھے پسند نہیں کرتا۔ تمہیں اور تمہارے کام کو کرتا ہے۔" اپنے جوتے مسلتے ہوئے وہ بتا رہی تھی۔ "ہم دونوں بہت چھوٹے تھے جب ہمارے والدین کی طلاق ہو گئی۔ بھائی اماں اور ماموں کے ساتھ رہنا چاہتا تھا لیکن تحویل کی وقت مقدمہ کچھ اس طرح پھر گیا کہ اس کی تحویل بابا کو ملی۔ بابا کو ہم دونوں سے کچھ خاص فرق نہیں پڑتا تھا انہوں نے یہاں نیو

یارک آکر دوسری شادی کر لی اور بھائی کی ذمہ داری چاچو پر آ گئی۔" وہ شاید رو رہی تھی۔ شاہ ویر کو اس کی آواز گیلی لگی۔ اس کے کھلے بال کندھوں سے آگے ڈھلک کر گرے۔

"بھائی کو لگتا ہے سارا مسئلہ میں ہوں کیونکہ چاچو اور ماموں دونوں مجھے پسند کرتے ہیں۔ ڈیڈ نے مجھے نیویارک بلوالیا اور اسے کوئی نہیں پوچھتا۔ اس کے دل پر میری طرف سے ایسی برف جم گئی ہے جو میں چاہ کر بھی ہٹا نہیں پا رہی۔"

آتش بازی زور وشور سے ہونے لگی۔ سیاہ آسمان قوس قزح کے ہر رنگ سے بھر گیا۔ بروکلین برج افسردگی سے اس لڑکی کی نم آنکھیں دیکھتی رہی۔ شاہ ویر چپ چاپ اسے سن رہا تھا۔ نیچے بہتے ہوئے پانی میں کئی روشنیاں منعکس ہو رہی تھیں۔ وہ کچھ نہیں دیکھ رہا تھا سوائے آراہ کے۔

"تم اب کیا چاہتی ہو؟" نرمی سے استفسار کیا۔

"میں چاہتی ہوں میرا بھائی میرے ساتھ ٹھیک ہو جائے۔ میرا خیال رکھے، میرے ساتھ رہے عام بہن بھائیوں کی طرح مجھ سے لڑے باتیں کرے۔ آفٹر آل وہ میرا واحد خاندان ہے۔"

"یہ تو غلط ہے۔" آراہ کو لگا اس نے کچھ غلط سنا ہے۔

"تم بہت خود غرض ہو رہی ہو۔ یہاں تمہاری ہر خواہش تم سے جڑی ہے۔ دلوں پر جمی برف ان لوگوں کے لیے پگھلتی ہے جن کے دل میں لالچ اور خود غرضی نہ ہو۔ کسی قسم کی نمود و نمائش کی خواہش بھی نہیں۔ دل اللہ کا گھر ہے تم اچھے دل سے اپنے بھائی کے لیے ہر وہ کام کرو جو ایک اچھی بہن کو کرنا چاہیے، میرا وعدہ ہے اللہ اس دل کو تمھارے لیے نرم کرے گا۔"

"تم اللہ کو مانتے ہو؟" وہ متحیر سی اسے تکتی رہ گئی۔

"تمھیں ایسا کیوں لگا کہ میں نہیں مانوں گا؟" وہ اس سے زیادہ حیران تھا۔

انارا نے آنکھیں رگڑ کر صاف کیں اور ایک بار پھر آسمان کو دیکھنے لگی جہاں اب ہوا میں مختلف رنگ بھر رہے

تھے۔ ”تمہاری کتابوں میں کوئی شخص کسی بھی قسم کے عقائد سے ہٹ کر چلتا ہے۔ وہاں تم ایسی موٹیویشنل باتیں بھی نہیں لکھتے۔“

”ساری باتیں بچا کر رکھیں تھیں ایک دن تم سے جو کرنی تھیں۔“

”مجھ سے فلرٹ کرو گے تو پیپر اسپرے آنکھوں میں ماروں گی۔“ اس نے انگلی اٹھا کر تنبیہ کی۔

”اپنے ساتھ زیادتی کرو گی۔ میری آنکھوں کو کچھ ہو گیا تو کون تمھیں میری نظر سے دیکھے گا؟“ وہ ایک پل کو رکا، آنکھیں اس کی آنکھوں سے نہ ہٹائیں۔ ”انارا طارون کو کوئی شاہ ویر کی نظر سے نہیں دیکھ سکتا۔“ جتایا، بتایا، اطلاع دی۔

وہ چند لمحوں کے لیے ٹھہر گئی۔ ”تم۔۔۔۔۔ تم کتنے بڑے فلرٹ ہو۔ حد میں رہو لڑکے۔“

مسکراہٹ دبائے انگلی اٹھا کر تنبیہہ کی۔ شاہ ویر نے اپنی دو انگلیوں کے درمیان اس کی اٹھی ہوئی انگلی پکڑی پھر ہاتھ پلٹا کر دیکھا۔

”مجھے یہ انگلی نہ دکھاؤ، میرا مقصد تو رنگ فنگر تک آنا ہے۔ بتاؤ پھر تم راضی ہو تو تمھارے ابا سے بات کروں؟“

آراہ نے بے اختیار رخ پھیرا۔ گال دہک اٹھے۔ شاہ ویر بنگش اتنے دن بعد ہیزل آنکھوں میں کتھئی رنگ گھلتے ہوئے دیکھ سکتا تھا۔ سرشار، سرخرو۔

(”محبت اتنی جلدی ہو جاتی ہے کیا؟“ میز کے گرد رکھی کرسی پر بیٹھی عورت پر سوچ نظروں سے اسے تکتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

”محبت بس ایک جذبہ ہے۔ اتنی جلدی یا اتنی دیر سے اس کا کیا تعلق۔ کبھی سڑک کنارے کھڑے کسی گداگر کو دیکھ کر ترس آتا ہے ناں؟ روتے بچے کو دیکھ کر دل پسیجتا بھی ہے اور کسی جوڑے کی بے ضرر ہنسی ہنساتی بھی ہے، یہ سب بھی تو جذبات ہیں۔ فوراً آتے ہیں، فوراً جاتے ہیں۔ محبت بس ایک مضبوط جذبہ ہے۔ جو ایک بار دل میں جگہ

بنالے تو بہت مشکل سے نکلتا ہے۔"

"شاید!" مرد کو دیکھتے ہوئے وہ کچھ الجھ کر بولی۔ "پھر کیا ہوا؟" وہ اگلے ہی لمحے کہانی کا اگلا حصہ جاننے کو بے تاب ہوئی۔)

"تم نے بتایا نہیں تم میری فین کیوں نہیں ہو؟" وہ ہسپتال کے پلنگ پر نیم دراز تھی۔ شاہ ویر کسی کتاب سے کچھ پڑھتے پڑھتے اسے سناتے ہوئے رکا۔ اس کی آنکھوں پر کھڑکی کے بلائنڈز سے آتی روشنی پڑ رہی تھی۔ چہرہ سنہری سا دکھائی دے رہا تھا۔ انارا نے اسے دیکھتے ہوئے گہری سانس لی۔

"تم صرف کرائم تھرلرز اور مرڈر مسٹریز لکھتے ہو۔ انتقام، جنگ، قانون، خونریزی۔۔۔۔۔" اس نے جھرجھری لی۔ "میں یہ نہیں کہہ رہی کہ تم یہ سب نہ لکھو لیکن محبت کا کیا؟ ہیپی اینڈنگ کو اوور ریٹڈ کرنے کے چکر میں ہم اسے انڈر ریٹڈ کر رہے ہیں۔ تمھیں نہیں لگتا کہ قاری ایک خوبصورت سا روم کوم، دشمن سے محبت، نخریلا ہیرو اور زندہ دل ہیروئن کی محبت کی داستان پر حق رکھتا ہے؟" اس کا چہرہ مرجھایا ہوا تھا، آنکھوں کے نیچے حلقے بن رہے تھے۔ رف کرلز کی لٹیں چہرے پر پھسل رہی تھیں۔ اس لمحے دواؤں کی بو، چھن سے آتی روشنی اور تنگ حالات میں شاہ ویر کو معلوم ہوا کہ اگر اس نے کبھی کوئی محبت کی کہانی لکھی تو انارا طارون کے لیے، اسے دیکھ کر لکھے گا۔

"تم کبھی محبت کی کہانی ضرور لکھنا، شاہ ویر۔ ایک سادہ سی کہانی۔old school type جہاں ڈھیر سارے مسائل ہوں۔ خاندان نہ مان رہے ہوں اور ہیرو ہیروئن کو وقت ملوا دے۔"

شاہ ویر بنگش پلکیں جھپکے بغیر دم سادھے اسے تک رہا تھا۔ الفاظ حلق کی دیواروں میں کہیں چُن دیے گئے۔ "محبت کی کہانی کون پڑھتا ہے؟" اس کی آواز کہیں دور سے آ رہی تھی۔

"میں پڑھوں گی۔ مجھ جیسے ہزار لوگ پڑھیں گے۔ پڑھنے والوں کے لیے لکھو گے تو لکھ نہیں پاؤ گے۔ لکھنا اپنے لیے ہوتا ہے، پڑھنے والے اپنی کہانی ڈھونڈ لیتے ہیں۔ کہانی کو قاری مل ہی جاتا ہے۔ کبھی بھی یہ سوچ کر مت لکھو کہ کون پڑھے گا؟ اگر کوئی کتاب دس سال بھی نہ پڑھی جائے تو ایک نہ ایک دن اس کے لیے ایک قاری پیدا کر دیا جائے گا۔ آرٹ پر صرف آرٹسٹ کا اختیار ہوتا ہے لوگوں کی پسند کی بندشیں آرٹ کو مار دیتی ہیں۔ تم کیوں اپنا

آرٹ دفن کرنا چاہتے ہو؟"

"اگر میں کوئی محبت کی کہانی لکھوں تو تم پڑھو گی؟" وہ کتاب ایک طرف رکھ کر اس کے پلنگ کے کونے پر آ کر بیٹھ گیا۔ یہ پہلی بار تھا کہ وہ ہر ادب و آداب بالائے طاق رکھ گیا۔ وہ جیسے کسی خواب سے جاگا ہو۔ وہ کچھ بے قرار لگ رہا تھا۔

"بالکل پڑھوں گی، کیا تم واقعی لکھو گے؟" وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ دھوپ اب ان دونوں کے چہروں کے درمیان سے گزر کر کہیں غرق ہو رہی تھی۔

شاہ ویر نے بہ دقت اثبات میں سر ہلایا۔ "تم دیکھنا انارا میں ایک دن محبت کی کہانی لکھوں گا اور اسے تمھارے نام کروں گا۔" اس نے وعدہ کیا۔

as you should"" وہ نقاہت زدہ لڑکی مسکرا کر بولی۔

اس روز وہ مری کی انجان لڑکی نہ رہی، ٹائم اسکوائر پر ملنے والا کوئی تجسس بھی نہیں اور سینے میں مقید کوئی محفوظ خیال بھی نہیں۔ اس روز کے بعد انارا طارون شاہ ویر بنگش کا لازم و ملزوم جز بن گئی۔

("تمھیں پتا ہے اب مجھے دکھ ہو رہا ہے۔"

"کس بات کا؟" قصہ گو نے ٹھہر کر پوچھا۔

"ان دونوں نے ایک ساتھ بہترین وقت گزارا اور اس کے بعد یہ؟۔۔۔۔"

"وقت تو واقعی بہترین تھا۔" بے لاگ تبصرہ۔)

"اور بیٹا شاہ ویر تم کرتے کیا ہو؟" سرجری کے کچھ وقت پہلے جب وہ تینوں ایک ساتھ تھے تب شجاع نے پوچھا۔ شاہ ویر نے مسکراہٹ دبا کر کن اکھیوں سے انارا کو دیکھا۔ وہ اسے فی الحال سچ نہ بتانے کا اشارہ کر رہی تھی۔ تعظیم اب فرض ٹھہری۔

"میں ایک رائیٹر ہوں۔"

"اوہ۔۔۔۔" شجاع کو جیسے تاسف ہوا۔"کوئی بات نہیں تم ایک دن اچھی نوکری ڈھونڈ لو گے۔ فی الحال شوق پورے کرو ابھی عمر پڑی ہے۔"

دیسی گھر والوں کو لگتا ہے کہ لکھاری بیچارہ فاقے کرتا ہو گا۔ شجاع اب اس سے مزید سوال بھی کر رہا تھا۔ انارا اسے دوست بتاتی تھی اپنی جگہ درست مگر شاہ ویر کی آنکھیں اور انداز کو کہانی سنا رہے تھے۔ شجاع ایک زیرک مرد تھا اس سے کچھ ڈھکا چھپا نہ رہا۔ سہراب اور شجاع کے درمیان تین سال ہوئے بول چال بند تھی۔ یافث سے تو کوئی تعلق ہی نہیں رہا۔ وہ اس سارے قصے کو اپنے طریقے سے دیکھ رہا تھا۔ انارا کم عمر تھی لیکن اسے اپنی باپ کی آنکھوں میں "داماد قبول ہے" لکھا ہوا صاف نظر آ رہا تھا۔

سرجری کامیاب ہوئی تھی۔ شجاع ایک طرف بیٹھ کر کمرہ کھلنے کا انتظار کرتا رہا مگر شاہ ویر جس کتاب سے انارا کو پڑھ پڑھ کر کچھ سناتا رہا تھا۔ اس کی کتاب کے صفحے پھاڑ پھاڑ کر پیپر رنگز بنا رہا تھا۔ اضطراب دور کرنے کا یہ اس کا طریقہ کار تھا۔ چند گھنٹے بعد سب ٹھیک ہو گیا۔ آئی سی یو کے باہر کھڑے ہو کر دھندلے شیشے سے وہ اندر لیٹی لڑکی کو کتنے ہی منٹ تکتا رہا۔ اس کی آنکھیں نم ہوئیں پھر بے ساختہ ہنس پڑا۔ وہ کہانیوں میں محبت کی کہانی پڑھنا چاہتی تھی اور ایک لکھاری محبت کی تمام کہانیاں اس کے لیے لکھنے کو تیار تھا یا تو وہ خوش قسمت تھی، یا شاہ ویر کی قسمت۔

پھر دن اور رات بہت بدل گئے۔ وہ چند دن ہسپتال میں داخل رہی۔ شاہ ویر ہمہ وقت اس کے ساتھ رہتا۔ صبح کی پہلی پو پھوٹنے سے رات کا اندھیرا آنے تک وہ اسے کہانیاں سناتا، کتابوں پر تبصرے ہوتے۔ وہ اسے منظر بندی کی کئی تکنیک بتاتا۔ گندی بُو والی گولی کھانے پر جب وہ منہ بناتی تب وہ ایک بار پھر اسے بہلا لیا کرتا۔ اس شخص میں شفقت تھی جس سے آراہ محروم نہیں رہی تھی لیکن حق سے حاصل بھی نہیں کر سکی۔ وہ دونوں ہسپتال کی کھڑکی سے ہر روز نیویارک کا ڈھلتا سورج دیکھتے، بعض دفعہ گرتی برف اور آتی رات بھی۔ وہ اسے ہر روز نئی نئی پیپر رنگز بنا کر دیا کرتا، انارا ہر روز ایک نئی رنگ پہنتی۔ کبھی کبھی وہ اس کی دس کی دس ہاتھ کی انگلیوں میں پیپر رنگز پہنا دیتا۔

"میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں میرے علاوہ کسی اور کے لیے زندگی میں گنجائش نہ رکھنا۔" اس کی ساری انگلیاں بھر کر وہ ہر دفعہ یہی کہتا۔

اس کے ٹھیک ہو کر آنے کے بعد نیویارک کی پبلک لائبریری کے چکر لگے، بروکلین برج پر کئی کئی گھنٹے گزارے جاتے، شاہ ویر کے دوست اور جاننے والوں کی شادی میں وہ اس کے ساتھ جاتی اور پھر وہ دونوں کسی میز کے گرد بیٹھ کر پاکستانی شادیوں کو یاد کرتے۔ پاکستانی

کھانے کھاتے، کلاس اور ثقافت کا فرق شاہ ویر نے محسوس نہ کروایا تو وہ بھی بھولنے لگی۔

وہ ہر دو تین دن بعد ٹائم اسکوائر جاتے۔ وہاں دیسی کھانا کھاتے، کسی ایک جگہ سڑک کنارے بیٹھ کر پزا اور گرم کافی سے لطف اندوز ہوتے۔ بعض دفعہ وہ بولتے بولتے تھک جاتے تب شاہ ویر نصرت صاحب کی قوالی اسے سنواتا، اس پر سر دھنتا، وہ کافی پرانے مزاج رکھتا تھا۔ کوئی ایک ایسا لمحہ نہیں تھا جب انارا کو اس سے عدم تحفظات محسوس ہوئے ہوں لیکن وہ ایک عہد چاہتی تھی، جسے کرنے کے لیے وہ تیار نظر آ رہا تھا۔ سب کہانیوں جیسا تھا، اسے انت میں بس سب ٹھیک چاہیے تھا۔ سب ٹھیک ہی تو ہونا تھا۔

کسی کیفے میں بیٹھ کر جب وہ لکھتا تو انارا کو سامنے بٹھا لیتا، وہ ہر دفعہ پوچھتی تھی۔ ایسا کیوں اور وہ ہر دفعہ کہا کرتا۔ "محبت کی کہانی ہے تمھیں دیکھے بغیر نہیں لکھی جائے گی!"

ان دونوں کے موبائل میں کتنی ہی تصاویر بھر گئی تھیں۔ نیویارک کا تقریباً ہر سپورٹس کلب اب وہ دونوں گھوم چکے تھے۔ ڈھیر سارے کیفیز کی کافی پی گئی۔ وہ جب پاکستان کو یاد کرتے تب کسی سینیما جا کر کوئی دیسی فلم دیکھ آتے۔ شاہ ویر اسے کسی قسم کے کپڑوں پر نہیں ٹوکتا تھا۔ اس کے بال کھلے ہوتے یا بند، وہ محض منہ دھو کر آتی یا ڈھیر سارا میک اپ کر کے نائٹ سوٹ میں اس کے ساتھ آدھا نیویارک گھوم لیتی یا سج سنور کر وہ اسے کافی پلانے لے جاتا اسے سب قبول تھا۔ اس کی محبت میں قبولیت تھی۔ تحفظ اور کاملیت۔ وہ پزل کے کسی آخری

ٹکڑے کی طرح ایک دوسرے کی زندگی میں مناسب جگہ پر فکس ہو گئے۔

شاہ ویر نے انارا طارون کو کسی بے رنگ مصوری سے قوس قزح میں تبدیل کر دیا تھا۔ لیکن پھر وہ دن آیا جب کھوئی ہوئی شہزادی کو اپنے وطن واپس جانا تھا۔ یہ سب سے مشکل لمحہ تھا۔ تفصیل پھر سہی۔

★★★★★★★★★★★★★

موجودہ روز۔۔۔۔۔

لعل یمن کی تیز روشن بتیاں قدرے مدھم پڑ گئی تھیں۔ وہ شام جسے پر رونق ہونا تھا وہ عجیب مردنی سے بھرپور تھی۔ سہر اب زیادہ وقت رکا نہیں۔ کچھ اس کا دماغ عالم کی وجہ سے پھرا ہوا تھا کچھ آمنہ کی کال، کھانا کھا کر وہ مری کی طرف روانہ ہو گیا۔ یافث انارا کو لیے اپنے فلیٹ چلا گیا جبکہ اسلان اور عالمگیر آج ایک ساتھ تھے۔ صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے اس نے عبیر کو سینے سے لگا کر رکھا تھا۔ اس کے بال تھپکتے ہوئے وہ اسے سلانے کی کوشش کر رہا تھا جب اسلان اپنی کتاب اور کافی کے دو مگ لیے نیم اندھیرے لاؤنج میں داخل ہوا۔ جہاں واحد روشنی وہی تھی جو ٹی وی کی جلتی سکرین سے ان کے چہروں پر پڑ رہی تھی۔ اس کی کتاب اب اختتام کی طرف تھی۔ مسئلے سارے ایک طرف اس نے کہانی شروع کر دی تو اب مکمل کیے بغیر اسے نیند نہیں آنی تھی۔

"اسکار کو مری جانے کی اتنی کیا جلدی تھی؟" عالم نے اسے بیٹھتے ہوئے دیکھ کر پوچھا۔

"اپنا تبادلہ لاہور کروا رہے ہیں انہی کاموں میں لگے ہوئے ہیں۔" اس نے کتاب اور مگ میز پر رکھا اور عالمگیر کی طرف آیا۔ اسلان دیکھ سکتا تھا کہ عبیر غیر آرام دہ انداز میں سو رہی تھی۔ "لائیں میں اسے اس کے کمرے میں سلا کر آتا ہوں۔" اس نے ہاتھ بڑھائے۔

"میرے کمرے میں سلاؤ اسے، پلنگ پر دیوار والی طرف سلانا اور کمبل مت ڈالنا اسے الرجی ہو جاتی ہے۔ کمفرٹر ڈالنا۔ زیرو بلب جلا کر آنا ورنہ ڈر جاتی ہے۔" اس نے ہدایات دیں۔

اسلان نے عبیر کو دونوں بازوؤں میں بھرا اور کمرے میں جا کر لٹایا۔ کمبل کے بجائے نرم سا کمفرٹر اس کے اوپر ڈالا

اور باہر آ گیا۔اب لاؤنج میں دوسری روشنی جلتے ہوئے سگریٹ کی تھی۔جو عالمگیر کے لبوں میں دبا تھا۔اس کے چہرے پر سوچ کی پرچھائیں تھیں۔

"تبادلہ کیوں؟"

"آپ کا بھائی ہے آپ خود پوچھ لو۔"ٹی وی کی روشنی اب اسلان کی پشت پر تھی۔

"یعنی بہن بھائی ایک دوسرے کے متعلق سب جانتے ہیں؟"اس نے گہرا کش بھرتے ہوئے سر صوفے کی پشت سے ٹکا دیا۔"اگر ایسا ہے تو تم اپنی بہن پر نظر کیوں نہیں رکھ سکے؟"

"میری بہن نے کیا گناہ کر دیا ہے؟"کافی کا مگ اٹھاتے اسلان نے عالمگیر کی توقع کے بر خلاف

جواب دیا۔"جس لڑکے کو پسند کرتی ہے اسے ہم سے ملوانا چاہتی ہے اور ہمیں یہ اختیار دیا ہوا ہے کہ اگر ہم اسے پسند نہیں کر سکے تو وہ اسے چھوڑ دے گی۔حالانکہ یہ اختیار بھی ہمارا نہیں ہے زندگی اس کی ہے۔دوسری طرف آپ نے اور میں نے بھی کسی کو پسند کیا تھا۔ہاں لیکن خاندان کی پرواہ ہم دونوں نے نہیں کی تھی۔وہ تو پھر بھی سب کا بھرم رکھ رہی ہے۔"

عالمگیر نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔اس کی نگاہوں میں الگ ہی سرخی تھی۔"میں آج اور ابھی اس کی پسند کو ناپسند کرتا ہوں اب آگے؟"

"کوئی بات نہیں۔ایک آپ کے ناپسند کرنے سے کچھ نہیں ہو جائے گا۔اصل مسئلہ میرا ہے انارا کا اصل وارث تو میں ہوں۔ویسے بھی آپ کی اپنی پسند چند سال بعد مقتولہ کہلاتی ہے۔"

"تم مجھے قاتل کہہ رہے ہو؟"

"آپ انکار کریں۔کہہ دیں ایسا نہیں ہے۔"وہ دوبدو بولا۔خوف تو اسے کسی کا تھا ہی نہیں۔

عالم چند پل پر سوچ نظروں سے اسے دیکھتا رہا پھر سر ایک بار پھر پیچھے گرا دیا۔منہ ہی منہ کچھ بڑبڑایا بھی۔"تمہارا

اپنا کیا ارادہ ہے آگے ؟"

"پتا نہیں۔" یکدم وہ اس موضوع سے اکتایا اور میز پر دھری کتاب اٹھالی۔ میٹرک کر لو تب پوچھا جاتا ہے آگے کیا ارادہ ہے ؟ پھر آگے چند جماعتیں پڑھ لو تو ایک بار پھر پوچھا جاتا ہے، آگے کیا ارادہ ہے۔ سوال برا نہیں لیکن یہ سوال ہر کسی کے لیے نہیں ہوتا۔ آگے کے ارادے بعض دفعہ خاندان روند دیتا ہے، بعض مرتبہ کوئی شخص اور کئی مرتبہ کم مائیگی۔ اسلان کو کس وجہ نے رسن دار میں باندھا یہ سوال وہ خود سے نہیں کیا کرتا تھا۔

"شادی کر لو، اسلان۔" کافی کا گھونٹ اس کے منہ سے فوارے کی صورت نکلا۔

"کیا؟"

"فارسی میں تو نہیں کہا میں نے۔" میز پر رکھا اپنا مگ عالم نے اٹھایا اور انہی سنجیدہ نظروں سے اسے دیکھا۔ "پچیس سال کے ہو تم۔ مجھے یہ نہیں پتا تمہارا مسئلہ کیا ہے۔ میں جاننے کی کوشش بھی نہیں کروں گا لیکن جب تم بتاؤ گے، میں اس کا حل نکال کر دوں گا۔"

"شادی ہر مسئلے کا حل نہیں ہے۔"

"عورت ہر مسئلے کا حل ہے۔" وہ اب بھی اپنے موقف پر ڈٹا ہوا تھا۔ "اسکار اُلو کا پٹھا ہے اور تمہارا باپ نرا گدھا۔ میں تمھیں سمجھ سکتا ہوں۔ پنار اب نہیں ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم اس طرح خود کو برباد کر دو۔"

"کس زاویے سے میں آپ کو برباد لگ رہا ہوں؟"

عالم اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے ساتھ آکر بیٹھا۔ "ماسٹرز آدھے میں چھوڑ کر بیٹھے ہو، دوست

کوئی تمہارا ہے نہیں۔ بہن اور خاندان سے بنتی نہیں، ماں باپ سے تم ملتے نہیں۔ تمھارے پاس ہے کیا اسلان؟ اس عمر میں ہر انسان پرواز کرتا ہو اور تم فرش پر رینگ رہے ہو۔ تم خاک بھی نہیں ہو۔" اس کا ہر ہر لفظ اسلان یمن کے دل میں کسی کانٹے کی طرح کھبتا جا رہا تھا۔ "کامیابی کی عمر میں تم ناکام ہو۔ میری بات مانو شادی کرو

عورت سنبھال لیتی ہے۔۔۔۔۔"

"آپ کو کیوں نہیں سنبھالا؟" وہ گردن پھیر کر ایسے کاٹ دار لہجے میں بولا کہ عالمگیر اسے دیکھ کر رہ گیا۔"اب آپ بتاؤ گے کہ کامیاب ہونا اور اچھا ہونا کیا ہوتا ہے؟ آپ ایک کرپٹ آدمی ہیں۔ تین عورتوں کے قاتل، تین دفعہ جیل جا چکے اور کتنی ہی بار صرف پیسوں کی خاطر غلط کام کرنے والے۔ میرے تھیراپی سیشن پر وقت برباد کرنے سے بہتر ہے اپنے بڑے بھائی پر غور کرو۔"

"اسے کیا ہوا ہے؟"

اسلان اپنی جگہ سے اٹھا۔ آنکھوں میں تلواروں سی کاٹ لیے اسے دیکھا۔"ایک مری ہوئی عورت سے موو آن نہ کرنے والا مرد اس گھر میں صرف میں تو نہیں ہوں۔"

وہ اٹھ کر چلا گیا۔ اندھیرے لاؤنج میں عالمگیر کتنی ہی دیر سناٹوں میں گھرا رہا۔ کیا سہراب بھی؟

★★★★★★★★★★

ساری رات کروٹیں بدلنے کے باوجود اسے نیند نہیں آ سکی۔ اس پہر منہ اندھیرے وہ کمرے سے نکل آیا۔ میز پر ایک طرف رکھا اپنا ہیلمٹ اور بائیک کی چابیاں ایک ساتھ اٹھائی تھیں۔ باورچی خانے میں آ کر چولہا جلایا، مگر گیس ندارد۔ وہ جی بھر کر بدمزہ ہوا۔ ارادہ تھا کہ کافی پی کر کچھ دیر کے لیے باہر نکل جائے گا۔ لیکن یہاں تو گیس ہی نہیں آ رہی تھی صبح صبح اس کا مزاج خراب ہو گیا۔ وہ باہر لان کی طرف آیا۔ روش کے ایک طرف کھڑی اپنی بائیک سے کپڑا ہٹایا جو ساری رات دھند پڑنے سے گیلا ہو چکا تھا۔ اسلان نے بائیک کو صاف کیا، دروازہ کھول کر بائیک نکالی اور دروازے پر باہر سے ہی لاک چڑھا دیا۔ (اب عالمگیر سے پڑنے والی گالیوں کا ذکر ایک طرف)

آسمان پر ہنوز سیاہ بادلوں کی چادر تنی ہوئی تھی۔ بائیک چلاتے ہوئے اس کے ذہن میں مختلف واقعات اُبھر اُبھر کر آ رہے تھے۔ جنہیں وہ جھٹکتا تو ان کا گھیرا مزید تنگ پڑتا۔ وہ کسی خاندانی بیٹھک میں تھا۔ دور کے ایک رشتے دار اس سے پوچھ رہے تھے۔

"ارے اسلان تم نے تو بورڈ ٹاپ کیا تھا ناں؟ اب کیا کر رہے ہو؟ سنا ہے پڑھائی وغیرہ چھوڑ دی؟"

وہ انہیں کیا بتاتا کہ وہ کیا کر رہا ہے؟ اپنی زندگی ضائع یا جامد۔ وہ انہیں کیا بتائے کہ ذہانت کو

زنگ لگ چکا تھا، کتابیں اب زہر تھیں اور لوگ؟۔۔۔۔ وہ لوگوں سے ملنے سے کترایا کرتا تھا۔ اسے چپ رہنا پڑا۔

"تم نے اپنے ماں باپ سے ملنا کیوں چھوڑ دیا، اسلان؟" یافث نرمی سے استفسار کر رہا تھا۔ "سب کے ماں باپ اچھے نہیں ہوتے لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ انسان انہیں چھوڑ دے؟"

وہ چیخ چیخ کر بتانا چاہتا تھا کہ اس کے ماں باپ نے اسے ہر اس موڑ پر چھوڑا جب جب اسے ان کی ضرورت پڑی۔ ان لوگوں نے ہمیشہ اپنا کیوں سوچا؟ اور اگر انہوں نے اپنا سوچا تو اسلان یمن بھی انہی کی اولاد تھا۔ خود غرضی میں ان جیسا خود غرض، کدورتیں پالنے میں ان سے بڑھ کر کدورت پسند اور سچ یہ تھا کہ زندگی کے اس مقام پر اسے کسی ماں یا باپ کی کوئی ضرورت نہیں رہی تھی۔

"تم نے اس کے ساتھ کیا کیا، اسلان؟" یہ تیسری آواز اس میں سراسیمگی تھی۔ اسلان نگاہ اٹھا کر اس عورت کو دیکھ نہیں سکا۔ "چار سال ہو گئے ہیں کم از کم مجھے اتنا بتاؤ کہ تم نے اس کے ساتھ کیا کیا؟" اس کا گلا رندھا ہوا تھا، نگاہوں میں شکوہ بھی تھا۔

وہ چپ رہا۔ بتاتا تو ملزم سے مجرم بنتا۔ کچھ کہتا تو کونسا یقین کر لیا جاتا۔ بعض دفعہ وہ سوچا کرتا تھا، زندگی میں سب سے بُری چیز کیا ہے؟ کم مائیگی، احساس محرومی، خراب تعلیمی ریکارڈ؟ پھر وہ ایک نقطے پر آ کر رک جاتا۔۔۔ چند لمحے سوچتا رہتا اور پھر فیصلہ کرتا۔۔۔ خود پر لوگوں کا اعتبار نہ رہنا۔ آپ دیواروں سے سر ٹکرائیں یا ہاتھ میں قرآن اٹھا کر کھڑے ہو جائیں، آپ بے اعتبار اور منکر ہی ٹھہرائے جائیں یہ ہوتی ہے زندگی میں زندہ رہتے ہوئے موت، یا جذبات پر چڑھایا جانے والا جمود۔

"جو اس نے کیا وہ غلط تھا لیکن وہ تمہاری محبت تھی، اسلان۔ کوئی اپنی محبت کے ساتھ ایسا کیسے کر سکتا ہے؟" اس کا

دوست میرا اس کے سینے پر دھکا دیتے ہوئے اس پر غرا رہا تھا۔ اسلان لڑکھڑایا، نگاہ جھکائی مگر لبوں سے کچھ بھی کہے بغیر چپ چاپ کھڑا رہا۔

ذہن کے تاریک خانوں میں کہیں دور پار سے پڑتی ماضی کی روشنی میں وہ دیکھ سکتا تھا کہ پنار کی گردن پر بازوؤں کا سخت گھیرا ہے، وہ مدد کے لیے چیخ چلا رہی ہے مگر کوئی اس کے لیے نہیں آیا۔ اسلان یمن کے نزدیک وہ گنہگار تھی لیکن وہ اسے ایسی سزا نہیں دینا چاہتا تھا۔ اس کی آنکھیں پھیلتی جا رہی تھیں، مزاحمت دم توڑ رہی تھی۔ وہ خالی خالی آنکھیں لیے کھڑا رہا۔ وہ گر گئی، اسلان نے اسے فرش پر گرتے ہوئے دیکھا، اس کی نبض چھوئی سب ساکن تھا۔ وہ اسے مار چکا تھا۔ وہ اس سب کی حقدار نہیں تھی، لیکن۔۔۔۔۔

منظر پانی کے بلبلے کی طرح فضا میں غائب ہو گیا اور حقیقت غالب آئی، وہ حقیقت جس میں اسلان یمن کی بائیک نیم اندھیرے میں ایک قبرستان کے باہر آکر رک گئی تھی۔ باڑ کے قریب لگے چند پودوں میں سے اس نے رنگین پھول توڑے، انگلیاں زخمی ہوئیں۔ قبرستان کا جنگلہ پار کیا اور اندر داخل ہوا۔ اسی لمحے ہلکی ہلکی بوندا باندی شروع ہو گئی۔ آسمان پر تنی دھندلکے کی چادر سیاہ بادلوں میں بدل گئی۔ یوں جیسے اسلان شجاع یمن کا ماضی۔

"میں معافی مانگ رہی ہوں اسلان ہو گئی غلطی اب کیا کروں؟"

"کیا تم نے کبھی کچھ غلط نہیں کیا؟

اب کیا اتنی سی بات پر میری جان لے لو گے؟"

"تم میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتے، اسلان۔"

"تم فکر مت کرنا، تمھارے ہر غم کا مداوا ہو گا۔ نسوانی آواز ایک بھاری مردانہ آواز دونوں آپس میں گڈمڈ ہونے لگیں۔ وہ ان کا گنہگار تھا اور یہ سائے اس کا پیچھا نہیں چھوڑتے تھے۔ اس کا ماضی سیاہ تھا، مستقبل میں کسی تابناکی کی کوئی امید نہیں تھی۔ وہ کیا کرتا کہ اس ماضی سے پیچھا چھڑوا لیتا؟

"مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی، پنار۔" وہ شاکی چہرہ لیے پیچھے ہو رہا تھا۔ یہ ایک مکمل مسخ شدہ مرد کا چہرہ تھا۔ جہاں

سانس تھی زندگی نہیں۔لفظ تھے ہمت نہیں۔جہاں محبت تھی، مگر اب سے دھتکاری ہوئی۔"یہ تم نے میرے ساتھ کیا کیا؟" وہ دیوانہ ہونے لگا۔

ماضی کے فلیش بیکس، حال کے زور دار تھپیڑے، برستی ٹھنڈی ٹھار بارش اور پھر چمکتی بجلی میں اس کے قدم ایک جگہ رک گئے۔ساکن و جامد۔وہ ایک مٹی کا ٹیلہ تھا۔مہذب لفظوں میں ایک قبر۔۔۔۔۔اسلان شجاع یمن مجرمین کی طرح سر جھکائے وہاں کھڑا تھا۔بوچھاڑ یکدم تیز تر ہوتی چلی گئی۔اس کی سفید شرٹ پوری طرح بھیگ گئی۔انگلیوں کے پوروں پر کانٹے لگنے کے باعث قطرہ قطرہ خون گر رہا تھا۔چہرے پر ننھے ننھے قطرے ٹھہر گئے۔ہر ہر قطرہ ماضی کا عکس تھا۔ہر ہر عکس موت تھا۔

"آئی ایم سوری۔" ذرا سا جھک کر ہاتھوں میں پکڑے پھول قبر پر رکھتے وہ سیدھا ہوا۔پانی اور خون کے قطرے بھی وہیں گرے۔"کسی کی زندگی پر میرا حق نہیں تھا۔۔۔۔" حلق میں بہت کچھ اتارا، نمی قلق، حزن اور پشیمانی۔"کسی کی زندگی چھیننے پر بھی نہیں۔آئی ایم سوری۔"

وہ گھٹنوں کے بل نیچے بیٹھ گیا۔کیچڑ، گیلی مٹی، اندر کی چبھن وہ ایک انسان اس وقت کیا کیا سہہ رہا تھا۔کوئی جان جائے تو سہہ نہ پائے۔اسے ہر وہ لمحہ یاد آیا جب اسے اپنا آپ طاقت ور اور پر اعتماد لگا اتنا کہ اس نے کسی کی زندگی کی پرواہ تک نہیں کی۔اس نے ایسا کیوں کیا؟ عذاب مسلسل تھا جو کسی صورت اس کی جان بخشنے پر راضی نہیں تھا۔"میں تاعمر اس غم سے نہیں نکل سکوں گا۔یہ میں نے کیا کر دیا؟" اس نے چہرہ ہاتھوں میں گرا دیا۔بارش تڑاتڑ برستی رہی۔

"کسی کی زندگی پر میرا کوئی اختیار نہیں تھا۔"

طاقت بھرم نکلی۔وہ اتنا کھوکھلا تھا کہ محض چھونے پر ہی ٹکڑے ہو کر گرے اور وہ گر گیا تھا۔

"آئی ایم سوری۔"

برستی بارش اور اس کی گردان جاری رہی۔یوں جیسے چھینی ہوئی زندگیاں پشیمانی ظاہر کرنے سے واپس آسکتی

ہوں۔ حق باہ۔

★★★★★★★★★★★

یہ وقتِ وداع تھا۔ چھ ماہ کے طویل قیام کے بعد اس کی اگلی پرواز اب اپنا "گھر" تھا۔ کمرے کی بتیاں گُل کیے وہ پلنگ سے نیچے فرش پر بیٹھا تھا۔ پائنتی سے کمر جوڑے لیپ ٹاپ چھوٹی سی میز پر دھرے شاہ ویر بنگش وہی کہانی لکھ رہا تھا۔ جس کی خواہش انارا طارون نے چند برس قبل کی تھی۔ یہ کہانی اس کا سکون تھی۔ وہ جب جب دنیا اور لوگوں سے تھک جاتا تب اسے لکھنے لگتا۔

یکدم اس کا موبائل تھرتھرایا۔ وہ جی بھر کر بد مزہ ہوا۔ اپنے مسودے کو دیکھ کر کوئی بہانہ کر کے اس سین کو ادھورا چھوڑنا چاہا لیکن لیپ ٹاپ پر لگے اسٹکی نوٹ پر لکھی خود ساختہ ڈیڈ لائن نے اسے آنکھیں دکھائیں۔ آخری تاریخ تک کام نہ لٹکائیں تو کوئی لکھاری کیسے کہلائے؟

"بجتا رہے میں تو نہیں اٹھا رہا۔" آراہ نے فی الحال کال کرنی نہیں تھی اس کے علاوہ کوئی اور اتنا

اہم تھا نہیں۔ وہ دوبارہ لکھنے لگا۔ ساتھ ساتھ زیر لب مکالمے پڑھنے بھی لگا کہ کہیں کچھ زیادہ نہ ہو جائے۔ ابھی وہ ایک ہی سطر لکھ پایا تھا کہ موبائل پھر بجنے لگا۔ "کیا مصیبت ہے پیچھے ہی پڑ گئے ہو کون ہے۔۔۔۔۔؟" وہ بدمزگی سے کہتے ہوئے مڑا اور کمفرٹر کے اوپر دھرا موبائل اٹھایا۔ کسی غیر شناسا نمبر سے موصول ہونے والی کال پر وہ ٹھٹھکا اب یہ سب یونہی خوف زدہ کیا کرتا تھا۔ یکدم مزاج خراب ہو گیا۔

اس نے دروازہ دیکھا جس پر لاک چڑھا تھا۔ کال کا جواب دیتے ہوئے اس نے موبائل کان سے لگایا اور ایک محتاط سا ہیلو کہا۔

"تم مجھے بھول تو نہیں گئے تھے، پرنس چارمنگ؟" اس کی آواز مشینی تھی۔

شاہ ویر کی مٹھی بھینچ گئی۔ آنکھوں میں لہو اترا۔ "بزدل اور بے غیرت مردوں کو یاد نہیں رکھتا میں۔"

"کس نے کہا میں مرد ہوں؟" وہی کھردری، ہزار فلٹرز میں چھپی آواز۔

"پھر کون ہو تم؟ میں تم سے مل چکا ہوں تم۔۔۔۔۔۔۔۔" وہ کہنا چاہتا تھا تم مرد ہو لیکن نہیں کہہ سکا۔ ضروری نہیں کہ جس نے اسے زخمی کیا تھا وہ "وہی" ہو۔ شاید وہ کرائے کے لوگ رکھتا ہو۔ شاید وہ اکیلا کام نہ کرتا ہو۔

"مرد، عورت یہ جنس تم لوگوں نے ایجاد کی ہے۔ میں جنسوں کی تفریق کو نہیں مانتا۔ میں خود کو مرد یا عورت نہیں محض ایک انسان مانتا ہوں۔ وہ انسان جسے قدرت نے ایک ذمہ دیا ہے۔"

"افسوس کہ میں تمہیں ایسا کچھ نہیں سمجھتا۔"

"فرق کسے پڑتا ہے؟ تمھارے سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیتیں تو میں اب یوں بھی مفلوج کرنے والا ہوں۔" وہ کہہ رہا تھا اور شاہ ویر نے موبائل کان سے ہٹا کر نمبر نوٹ کیا، مسودے کو ہٹا کر تیزی سے لیپ ٹاپ پر اپنا واٹس ایپ کھولا۔ "سنا ہے تم اپنے شہر واپس آرہے ہو؟ اچھا ہے بہت اچھا۔ یہاں تو بہت آسانی رہے گی۔"

"میں تم سے ڈرتا نہیں ہوں۔" اسے بات میں الجھانے کی خاطر شاہ ویر نے بات کو طول دی۔ موبائل کان اور کندھے کے بیچ اٹکائے اب وہ شاہ زید کو پیغام لکھ رہا تھا۔

"میں جانتا ہوں۔ اسی لیے اس دن تمھیں مارا نہیں کیونکہ تمہاری آنکھوں میں کوئی خوف نہیں تھا۔ تم نے فی الحال اپنا گناہ بھی تسلیم نہیں کیا مجھ سے معافی بھی نہیں مانگی اور۔۔۔۔۔۔"

"کس بات کی معافی؟ یقین کرو تمہاری ماں کے ساتھ میرا کوئی معاشقہ نہیں ہے۔" چیخ کر کہا۔

دوسری طرف وہ ہنسا۔ "اب تمھارے کھاتے میں میری غیرت پر وار کرنا بھی شامل ہو گیا ہے۔ میں چاہتا تھا تمھیں آسان موت دوں لیکن تم سے کھیل کر اتنا مزہ آرہا ہے کہ اب میں اس قصے کو مزید کھینچنا چاہتا ہوں۔" اس کی آواز میں کوئی جذبات نہیں تھے لیکن ایک جنونیت، ایک پاگل پن ضرور تھا جسے شاہ ویر محسوس کر سکتا تھا۔ جو اس کے اعصاب شل کر رہا تھا۔

"اس نمبر کی تفصیل نکلواؤ، کال پاکستان سے آرہی ہے۔" اس نے زید کو پیغام بھیجا جو فوراً آن لائن آگیا تھا اور اب "اوکے" لکھ کر کام پر لگ رہا تھا۔

"اپنے بھائی کو میرا نمبر بھیج رہے ہو؟" کندھے اور کان کے بیچ موبائل اٹکائے وہ ساکت رہ گیا۔ بے ساختہ اپنے اطراف میں نگاہیں گھمائیں۔ دل ایک پل کے لیے دھڑک نہ سکا۔ "یار چھوڑ دو یہ حرکتیں اس طرح تمھارے ہاتھ نہیں آؤں گا میں۔ تم مجھ سے میری جنس پوچھ رہے ہو حالانکہ میں تمھیں خود ہی اپنی جنس بتا چکا ہوں۔ مجھ سے میرا شہر پوچھتے ہو میں وہ بھی بتا چکا ہوں اور میرا نام۔۔۔۔۔۔" اس نے گہری سانس لی۔ شاہ ویر کا سانس لینا محال تھا۔ سینے میں بہت کچھ مقید ہوا۔ "تعاقب میرا کام ہے تمہارا نہیں۔ تم اس طرح مجھے نہیں ڈھونڈ سکتے۔ غور کرو پھر شاید تمھیں مل جاؤں۔ میں نے تمہاری موت کا دن بھی تمھیں بتا دیا ہے۔ اب ڈھونڈو، کھیلو میرے ساتھ۔"

کال کٹ گئی تھی۔ سکرین پر اب شاہ زید کے کئی پیغامات آرہے تھے وہ اسے تسلی دے رہا تھا، بتا رہا تھا کہ وہ دونوں جلد از جلد کوئی حل ڈھونڈ لیں گے، اس نمبر کا مالک بھی مگر شاہ ویر نے کھٹ سے سکرین گرا دی۔ اب کمرہ اندھیرا تھا۔ شاہ ویر بنگش کے مستقبل کی طرح۔

★★★★★★★★★★★

اسلان یمن اگلے دو دن بعد اسی ڈھابے نما ہوٹل پر موجود تھا۔ کلیم سفری اس کی جرات اور زبان کی پابندی کو داد دیے بنا نہ رہ سکا۔ وہ دونوں پلاسٹک کی کرسیوں پر ایک دوسرے کے آمنے سامنے موجود تھے۔ اس نے آج شلوار قمیض کے اوپر سردی کے باعث شال لے رکھی تھی جبکہ کلیم اپنے پرانے حلیے میں تھا۔ شاید وہ اس سوٹ کو پروفیشنل دکھنے کے لیے پہنا کرتا تھا۔ سگریٹ کے مرغولے ہوا میں اڑاتے وہ بے نیاز دکھ رہا تھا۔ اس کے برعکس اسلان نے ایک دو بار نگاہ گھما کر ہر طرف دیکھا تھا اسے اپنے اوپر کسی کی نظریں محسوس ہو رہی تھیں۔ لیکن کوئی نظر نہ آیا۔

"پیسہ تو مل گیا اب اس کی فکر ختم کر دو۔" بیگ کو اپنی طرف کھینچتے کلیم باچھیں کھول کر مسکرایا مگر ابھی اس بستے پر اسلان یمن کی گرفت بھی پکی تھی۔ آنکھوں میں ٹھنڈک اور خالی پن۔

"تمہاری فکر ختم ہوئی میری تو اب شروع ہوئی ہے۔ اگر تم یہ پیسہ لے کر بھاگ گئے تو میں کیا کروں گا؟" وہ ٹھنڈی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ "میں تم پر یقین کیوں کروں؟"

کلیم حیران ہوا۔ وہ پیسے دینے کو تیار بیٹھا تھا اور اب یوں لگ رہا تھا جیسے وہ ہر پیسے کا حساب لے گا۔ "تمہیں کیا لگتا ہے میں پیسے لے کر بھاگ جاؤں گا؟" اس نے چڑھائی کی۔

"جا بھی سکتے ہو فرشتے تو تم ہو نہیں۔"

"ٹھیک ہے پھر رکھو اپنے پیسے اپنے پاس۔۔۔۔۔۔" وہ دھاک بٹھانے کو واقعی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اسلان مطمئن نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔ "میں واقعی چلا جاؤں گا۔"

"ضرور جاؤ۔ اسلان یمن بہت کم ہیں لیکن اس شہر میں کلیم سفری بہت ہیں۔"

وہ دھاک پر لعنت بھیجتے واپس بیٹھا۔ چہرے پر جھنجھلاہٹ تھی۔ "سچ سچ بتاؤ تم کون ہو اور کیا کرتے ہو؟ جاسوس وغیرہ تو نہیں ہو؟"

"ہوتا تو ڈنکے کی چوٹ پر بتاتا۔ میں جو ہوں وہ تمھیں بتا چکا ہوں۔"

"کون؟"

"اسلان یمن۔"

کلیم نے سر دائیں بائیں ہلایا۔ کچھ بھی اتنا سادہ اور آسان نہیں تھا جتنا نظر آرہا تھا۔ اس لڑکے کے متعلق اس کی چھٹی حس سینہ کوبی کرتے ہوئے خبر دار، خبر دار کہہ رہی تھی۔ اور اب اسے خبر دار ہونا بھی چاہیے تھا۔ "مجھے تھوڑا وقت دو۔" کنپٹی مسلتے ہوئے اس نے آہستگی سے کہا۔ "میں ریاض سے بات کر کے ایک ہفتے کے اندر سب ٹھیک کرتا ہوں، پھر تمہیں ریاض کے دفتر بلواؤں گا۔ مجھے بیک گراؤنڈ چیک کرنا پڑے گا۔"

اسلان سمجھتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ "تمھارے پاس صرف اور صرف ایک ہفتہ ہے ایک ہفتے بعد ہمارے راستے الگ

الگ۔ "چند نوٹ اس کی طرف بڑھائے۔ "یہ تمہارا چائے پانی۔"

کلیم نے نوٹ تھام لیے اسلان نے اپنا ہیلمٹ اور چابی اٹھائی، ایک بار کلیم کو دیکھا اور آگے بڑھ گیا۔ وہ مشکوک نظروں سے اسلان کو جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔

تھوڑی دیر بعد وہ لعل یمن میں موجود تھا۔ الماریاں سرکاتے وہاں پیسوں کا بستہ دباتے، اس کی آنکھوں میں پچھتاوا تھا۔ ایسا پچھتاوا جو اس کے دل کو دو حصوں میں کاٹ رہا تھا۔ وہ کتنی ہی دیر وہاں بیٹھا ماضی کے اوراق پلٹتا رہا، کتنی ہی دیر اس مسکراہٹ کو یاد کرتا رہا جسے چھیننے والا وہ خود تھا۔ اس کی آنکھیں بھر گئیں، پھر ڈبڈبائیں اور پانی کے اسی ایک قطرے سے ایک نہر بنی، اس کے نیچے پتھر آ گئے اور پتھروں کے اوپر ان کے قدم۔ پھر زندگی حسین دور میں داخل ہوئی جہاں وہ لڑکپن کی عمر میں لفظ محبت سے پہلی بار آشنا ہوا تھا۔ جن دنوں وہ مختلف آدمی ہوا تھا۔

وہ ان دنوں وادی شادرا میں تھے۔ ٹھنڈے پانی میں پیر ڈالے کرسیوں پر آمنے سامنے بیٹھے، چائے کے کپ ہاتھوں میں لیے وہ دونوں ایک دوسرے سے کئی باتیں کر چکے تھے۔ شام کا سمے تھا فیری لائٹس کی زرد روشنیاں ان کے اوپر سایہ کیے ہوئے تھیں۔ پانی کے بہنے کی ہلکی ہلکی آواز ماحول میں شامل ہو رہی تھی۔

"تمہیں مجھ سے ملنا کیسا لگتا ہے، اسلان؟" کئی ملاقاتوں کے بعد وہ آج بھی اسلان کو چپ کروا دیتی تھی۔ "ہم جب بھی ملتے ہیں تم بس سنتے رہتے ہو تم کچھ کہتے کیوں نہیں؟" پنار سکندر چائے کے کپ پر انگلیاں پھیرتے ہوئے سوال کر رہی تھی۔

"مجھے تمہیں سننا پسند ہے۔"

"کتنا پسند ہے؟ موازنہ کرو۔"

"میری لکھائی سے بھی زیادہ۔" اس کی آنکھیں کہہ رہی تھیں وہ سچ کہہ رہا ہے۔ "میں تم سے آج کہہ رہا ہوں کہ زندگی میں کبھی بھی کسی بھی لمحے اگر تمہیں میری ضرورت پڑی تو میں تمہارے لیے کچھ بھی کرنے کو تیار رہوں گا۔"

"تم میرے لیے مر یا مار سکتے ہو؟"

اسلان ہلکا سا ہنسا۔ "مجھے کر منل بنا کر دم لو گی تم۔"

"اتنا جگرا تم میں کہاں؟" اس نے ناک سے مکھی ہٹائی۔ "تم بہت شریف ٹائپ ہو۔ کوئی تمہیں مار کر چلا جائے گا اور تم اف بھی نہیں کرو گے۔ کسی سے بدلہ لینا، چال چلنا یا پھر کسی کو مارنا یہ تمھارے بس کا کام نہیں۔"

"میری چھوڑو کسی نے تمھیں اف بھی کیا تو اسے مار سکتا ہوں میں۔" وہ یکدم اتنی سنجیدگی سے بولا کہ پنار ٹھہر گئی۔ اسلان کی آنکھوں میں جھانکا وہاں واضح سچائی تھی۔ وہ چند لمحہ مزید اسے دیکھتی رہی پھر ہاتھ جھلایا۔

"جیسا کہ میں نے کہا تم ایک عام مڈل کلاس لڑکے ہو۔ کمزور اور شریف۔"

"میں لفظ ضائع نہیں کر سکتا، تم وقت آنے پر دیکھ لو گی۔"

"اچھا اسلان تم کہیں باہر جا کر سکرین رائٹنگ کیوں نہیں پڑھ رہے؟"

اسلان گہری سانس بھرتے آگے کو ہوا۔ "میں سکرین رائٹنگ نہیں کرتا، پنار۔ وہ ایک بہت ہی مختلف کام ہے اور میرا کام اتنا اعلیٰ ہے بھی نہیں کہ اسے سکرین پر پیش کیا جائے۔ نہ میں رائٹنگ کو کیریئر کے طور پر دیکھتا ہوں۔ میں تو بس چھوٹی موٹی کہانیاں لکھتا ہوں جن سے میرا دھیان بٹ جاتا ہے۔ وہ سب بھی ردی ہیں، بے کار۔ تم پڑھو تو پتا چلے ناں۔" وہ سانس لینے کو رکا۔ "اگر کبھی میرا کوئی کام شائع ہوا بھی تو کتاب کی صورت ہو گا۔ کیونکہ اسے سکرین رائیٹ کرنا ممکن نہیں۔"

"اوہ یہ لکھائی کافی پیچیدہ کام ہے۔" وہ بور ہوئی۔

"اس لیے میں کم کم ہی کرتا ہوں۔ شوق کے لیے۔"

"اچھی بات ہے تم اپنا سارا فوکس مجھ پر رکھو۔"

"ہٹایا کب تھا؟" وہ مدھم سا مسکرایا۔

پانی کی نہر پھر قطرے میں تبدیل ہوئی اور وہی قطرہ اس کی آنکھوں کو دھندلانے کا باعث بنا تو اسلان شجاع نے ہتھیلی کی پشت سے آنکھیں رگڑ کر صاف کیں۔ سنہری آنکھوں والی اس لڑکی کو یاد کیا اور پشت دیوار سے جوڑ لی۔

"تم بہت اچھی تھیں، پنار۔" چھت پر آنکھیں جمائے وہ یاسیت سے بولا۔ "تمہاری موت وہ واحد غم ہے جس سے میں کبھی آگے نہیں بڑھ سکوں گا۔" زکام زدہ سانس اندر کھینچی۔ "میں ایسا نہیں چاہتا تھا، جو ہوا تم اس کی حقدار نہیں تھیں۔۔۔۔۔۔۔۔" وہ رکا، الفاظ متجمع کیے۔ "اگر تم زندہ ہوتیں تو میں ہر تکلیف کا مداوا کرتا لیکن اب ۔۔۔۔۔۔۔ آئی ایم سوری۔" تکلیف اس کے ہر ہر لفظ میں عیاں تھی۔

★★★★★★★★★★★★★

"ایک ہفتہ بعد"

شاہ زید بنگش تیز تیز قدم اٹھاتا اپنے باس کے دفتر کی طرف جا رہا تھا۔ اس کے انداز میں عجلت تھی۔ وہ بار بار گھڑی دیکھ رہا تھا۔ شاہ ویر کی پرواز کے پاکستان اترنے میں بس ایک گھنٹہ باقی تھا۔ اسے دس منٹ میں یہاں سے نکلنا تھا اور یہ کام از حد ضروری تھا۔

وہ دستک دے کر اندر داخل ہوا تو باس پہلے ہی فائلز کا انبار لگائے بیٹھے تھے۔ زید کو دیکھ کر ماتھے کے بل گہرے ہوئے۔ "آیئے سرکار آیئے۔ ہم آپ کے ملازم اسی انتظار میں تھے کہ آپ آئیں اور آپ کو آپ کی خبر دی جائے۔" ایجنٹ انہیں زچ کرتا تھا اور وہ زید کو۔ یہ تو ہونا تھا۔ ایک سیر تو دوسرا سوا سیر۔

"باس ذرا جلدی بولیں میرا بھائی آج واپس آ رہا ہے اسے لینے ایئرپورٹ جانا ہے۔"

"تمہارا ہی کام ہے ورنہ یہ جو "آ" رہا ہے "وہاں" جائے گا جہاں سے کبھی آ نہیں سکے گا۔" انہوں نے طنز کیا۔

"آپ کے منہ میں خاک۔" وہ سلگ کر زیر لب بڑبڑایا۔ اتنا اونچا کہ وہ آرام سے سن لیں۔

"ایجنٹ آیا تھا۔" ارمغان نے تین لفظ کہے۔ زید بے اختیار کرسی پر ٹک گیا۔ سماعتیں ہمہ تن گوش، جسم کا ہر عضو کان۔ "اسے تم سے کوئی بات نہیں کرنی جو بات کرنی ہے وہ تمھارے بھائی سے کرنی ہے۔ تمہیں بیچ سے ہٹنا ہو گا۔"

"لیکن کیوں؟" وہ بے قرار ہوا۔

"میں نے بھی یہی پوچھا تھا"

"کیونکہ مجھے وقت ضائع کرنا نہیں پسند۔" ایجنٹ کی وہی جذبات سے خالی آواز فون کے دوسری پار سنائی دی۔ ارمغان نے تھوک نگلا۔ "اسے واپس پاکستان بلواؤ ہر اس چیز کے ساتھ جو جو اسے موصول ہوئی، ہر بات جو اس نے محسوس کی سب اسے یاد رہنا چاہیے۔ میں سالوں کی محنت کسی قسم کے بچکانہ رویے کی نظر نہیں کر سکتا۔"

"وہ اسے بچا تو لے گا ناں؟"

"میں کسی کو نہیں بچا سکتا۔" منظر پھر بدلا۔ ایجنٹ کا جواب اور رویہ نہیں۔ "میرا کام کسی کو بچانا نہیں ہے میرا کام صرف اور اور صرف اس قاتل کی گردن پکڑنا ہے اور یہاں میں کسی کی زندگی کی ذمہ داری نہیں لے رہا۔"

ارمغان نے آگے کو ہو کر سنجیدگی سے اسے دیکھا۔ "تم اس قاتل کو کیوں پکڑنا چاہتے ہو؟"

"اٹس پرسنل۔" وہ سنبھل کر بولا۔

کرسی پر بیٹھا زید کتنی دیر سوچوں میں غرق رہا۔ اس کی کم سوچنے سمجھنے کی عادت بہت بری اور اچھی بیک وقت تھی۔ شاہ ویر کے معاملے میں کسی پر بھروسہ کرنا مشکل امر تھا لیکن جب

تریاق نہ ملے تو زہر کو منہ میں بھر کر بھی تھوکنا پڑتا ہے۔

"اوکے۔" وہ ہارے ہوئے انداز میں کندھے ڈھلکا گیا۔ "کوئی پتا کوئی ملنے کی جگہ اس نے کچھ بتایا؟"

"میں میسج کر دوں گا، جب بھی اس نے کچھ بتایا۔"

شاہ زید نے سر کو اثبات میں ہلایا۔ وہ جس تیزی سے آیا تھا۔ واپسی پر اس کے انداز میں اتنی ہی سست روی تھی۔ جتنی امید سے آیا تھا۔ واپسی پر اس سے زیادہ ناامیدی لیے جا رہا تھا۔ وہ دروازے تک پہنچا، پھر پلٹ کر ارمغان کو دیکھا۔ انداز ہارا ہارا تھا۔ "وہ میرے بھائی کو نقصان تو نہیں پہنچائے گا؟"

"وہ خود خساروں کا مارا ہے۔ ایسے لوگ مدد نہ بھی کریں تو نقصان نہیں کرتے۔"

"اسے میں یقین دہانی سمجھوں۔"

"اس سے کہیں زیادہ۔"

زید نے ممنون نگاہوں سے انہیں دیکھا۔ ایک پل کو ان پر پیار آیا، پھر لاحول ولا کہہ کر وہ باہر نکل گیا۔

★★★★★★★★★★★★

سادات لاء فرم میں معمول کی چہل پہل تھی۔ وکلاء سیاہ سفید کا امتزاج بنے ہوئے عدالت جانے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ بعض بُرے مزاج سے کسی موکل سے موبائل پر بات کرتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ سادات بعض دفعہ عالمگیر کو شطرنج کی بساط لگا کرتی۔ سیاہ سفید کا مرکب، چال بازیوں کا گڑھ۔ خیر وہ جہاں دیکھتا ہر کوئی اپنے کاموں میں مصروف دکھائی دیتا تھا۔ ہر کسی کی زندگی متحرک تھی، سوائے عالمگیر یمن کے۔ ڈیڑھ دو لاکھ کا مہنگا سوٹ پہنے بالوں کو جیل سے پیچھے جمائے ہلکی بڑھی داڑھی والا کارپوریٹ وکیل تیز تیز قدم اٹھاتا کانفرنس روم کی طرف جا رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ جواہر صاحب کے سامنے رکھی کرسی پر بیٹھا تھا۔ کوٹ کا ایک بٹن کھلا ہوا تھا۔ گزرے چند ماہ والا

تکبر مفقود تھا۔ آج وہ ایک ایسے مرد کی طرح یہاں موجود تھا جس کی بنک کے کھاتے کا نمبر تیزی سے نیچے جارہا تھا۔ جس کے پاس مواقع کم پڑ رہے تھے اور جو تین بار قید دیکھنے کے بعد معاشرے میں مقام بنانے آیا تھا۔ہاہ۔۔۔۔۔دیوانے کا خواب۔

"میرے پاس تمھارے لیے تین کام ہیں۔"جواہر صاحب کے چہرے پر شادمانی تھی۔"لیراز آفیشلز چاہتے ہیں کہ تم ان کی کمپنی جوائن کرواور۔۔۔۔۔"

"بچوں کی کینڈیز بنانے والی کمپنی ہے وہ اب میں ان کے لیے کام کروں؟"وہ ان کی بات پوری

ہونے سے قبل بھڑکا۔جواہر صاحب نے ناگواری سے اسے دیکھا۔

"اچھاپیسہ دے رہے ہیں وہ ان کا ایک مسئلہ اٹکا ہوا ہے۔۔۔۔"

"نیکسٹ۔"ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے ہاتھ جھلائے بڑی کوفت سے کہا۔ساتھ انٹرکام اٹھا کر اپنے لیے کافی منگوائی۔اس کا تو سر ہی دُکھ گیا تھا۔

"ایک اور کمپنی ہے وہ تین سال کا معاہدہ کرنا چاہتی ہے۔"

"آپ نے ان کو یہ بتایا کہ میں قید نہیں ہو کر رہوں گا؟ان کے سارے مسئلے میں دیکھ لوں گا لیکن میں آزاد ہوں جس کے لیے چاہوں کام کروں۔اگر وہ اس بات پر راضی ہیں تو ٹھیک ہے۔"

جواہر صاحب نے نفی میں سر ہلایا۔"کوئی گدھے کی اولاد ہو گا جو تمھیں تین سالہ معاہدے کے پیسے بھی دے اور تمھیں باہر کام بھی کرنے دے۔اگر ایک ہی دن میں دو دو سماعتیں ہوئیں تو کیا کرو گے؟ایک ہی وقت میں دو جگہ کیسے پہنچو گے؟"

"وہ میری صلاحیت ہے آپ اس پر شبہ چھوڑ دیں۔"ڈھٹائی سے کہا۔

"تم جب جب واپس آتے ہو میرا شوگر لیول اور بی پی بڑھا کر جاتے ہو،عالم۔"شکوے سے کہتے ہوئے سر براہی

کرسی پر آکر بیٹھے۔ تنفس پھول رہا تھا۔

"ایک بار مجھے واپس کام پر لگنے دیں آپ کا سیروں خون بھی میں ہی بڑھاؤں گا۔"

"گزر چکا تیرے اعتبار کا موسم۔" طنزیہ انداز میں کہتے انہوں نے ریسیور اٹھایا اور ریسیپشن پر کسی کو ایک پیغام دیا۔ "مسز ابتسام آگئی ہیں تو انہیں اندر بھیجیں۔"

انہوں نے ریسیور واپس رکھا اور عالم کی طرف دیکھا جو جھنجھلایا ہوا لگ رہا تھا۔ "کیوں فکر کرتے ہو مل جائے گا کام۔"

"جہنم میں جائے کام مجھے پیسہ چاہیے۔ آپ کو پتا ہے ناں میرا پیسہ کم ہونے لگے تو میرا دماغ خراب ہو جاتا ہے اور مجھے عبیر کو اس اسکول سے نکالنا ہے اس کے لیے بھی رقم چاہیئے۔" اسی پل اس کی کافی لا کر رکھی گئی۔ "سہر اب واپس آرہا ہے مجھے اوپر شفٹ ہونا پڑے گا اور وہاں کام رہتا ہے وہ کیسے ہو گا؟"

"پیسے کا اتنا جنون بھی اچھا نہیں ہوتا۔" جواہر نے نصیحت کی۔

عالم کوئی جواب دینے لگا تھا کہ دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ وہ بولتے بولتے رک گیا۔ گھڑی کی طرف اشارہ کر کے جواہر صاحب کو بتایا کہ اسے جلد فارغ کرنا ہے۔ دستک دوبارہ ہوئی، جواہر نے اندر آنے کی اجازت دی تو ایک عورت اندر داخل ہوئی۔ لمبی میز کے دونوں اطراف سربراہی کرسیوں پر وہ براجمان مرد اٹھ کھڑے ہوئے، میز کی دائیں طرف کمرے کے وسط میں کھڑی عورت کو دیکھ کر عالمگیر یمن جو کہ کچھ کہنے لگا تھا بالکل ساکت ہو گیا۔ کمرے میں دھوپ نہیں تھی لیکن اس کا سارا وجود جھلس کر رہ گیا۔

"یہ مسز ابتسام ہیں۔" جواہر صاحب کہہ رہے تھے۔ "انہوں نے ایک ماڈلنگ ایجنسی کے ساتھ دو سالہ معاہدہ کیا تھا اور معاہدے کے مطابق شوٹس کی کوئی تعداد طے نہیں تھی لیکن اب دو سال بعد چھ ماہ کی بقیہ پے منٹ دیتے وقت ایجنسی کا کہنا ہے کہ چونکہ چالیس سے کم شوٹس ہوئے ہیں اس لیے پیسے کم ملیں گے۔ دھوکہ ہو گیا ان کے ساتھ۔"

وہ آج بھی ویسی ہی تھی یا شاید عالمگیر کو ویسی نظر آ رہی تھی۔ وہی لمبے بھورے بال، کتھئی آنکھیں، خوبصورت نقوش اور پرکشش سراپا۔ عالم چبھتی ہوئی نظروں سے اسے تک رہا تھا، نظریں تو تاجور کی بھی مختلف نہ تھیں۔ دفتر میں یکدم عناد، کدورت، سراسیمگی بھر گئی۔

"کتنے پیسے؟"

"ستر لاکھ کے قریب کچھ۔۔۔۔۔" انہوں نے جھرجھری لی۔ "دنیا بڑی دغاباز ہو گئی ہے۔"

عالمگیر چند قدم آگے آیا۔ تاجور کے عین سامنے نگاہوں کی وہ تپش، وہ بھینچے ہوئے جبڑے اور ان دونوں کے درمیان دکھائی دیتی کوئی آگ سی آگ۔ جواہر صاحب ٹھٹھکے۔

"دغابازوں کے ساتھ دغا ہی ہوتی ہے، جواہر صاحب۔" تاجور کی آنکھوں میں دیکھتے چبا چبا کر کہا۔ "ابھی تو ان کے ستر لاکھ گئے ہیں جب ستر کروڑ ڈوب جائیں تب بھی میں اس عورت کا مقدمہ نہیں لڑوں گا۔"

"تم آج بھی اتنے ہی گھٹیا ہو، عالمگیر۔" پرس کی اسٹرپ مٹھی میں دبوچتے اس نے نفرت سے کہا۔

"بالکل تمھارے خاندان کی طرح، تاجور۔"

سادات صاحب بوکھلا کر اپنی جگہ سے اٹھے۔ "عالم آرام سے کیا ہو گیا ہے کوئی مسئلہ ہے کیا؟"

"اسے میری نظروں سے دور کر دیں ورنہ میری چوتھی گرفتاری اسی کے قتل میں ہو گی۔" سرخ ہوتے چہرے کے ساتھ انگلی اٹھا کر تنبیہہ کی۔ اس کی رگ رگ میں لاوا بھر گیا۔

"مجھے ہراس کر رہے ہو تم۔" وہ چیخی۔

"یہ تو تم لوگوں کا خاندانی پیشہ ہے میں کیسے کر سکتا ہوں؟"

"عالم گیٹ لاسٹ۔" سادات صاحب حلق کے بل غرائے۔ "کلائنٹ کے ساتھ بد تمیزی مت کرو۔"

"اس کی وجہ سے آپ مجھ پر چیخ رہے ہیں؟"

"تم ایک کلائنٹ کے ساتھ بد تمیزی کر کے ہماری ساکھ تباہ کر رہے ہو۔"

"ایسے اوچھے ہتھکنڈوں میں تو یہ شروع سے ماہر رہا ہے۔" تاجور تنفر سے بولی۔

"تم سے ہی سیکھے ہیں اور اوچھے ہتھکنڈے تو تم آزما رہی ہو، ایک میری زندگی تباہ کر کے دل نہیں بھرا جو اب تمہارا بھائی میری بھتیجی کی زندگی میں داخل ہو رہا ہے؟"

تاجور نا سمجھی سے اسے دیکھے گئی۔ "کیا بک رہے ہو تم؟"

"اسے سمجھا دو اگر اگلی بار وہ میری بھتیجی کے آس پاس بھی دکھائی دیا تو اس کی لاش گھر جائے گی۔ میں تمھارے سارے خاندان کو چوک پر الٹا لٹکاؤں گا اگر تم لوگ میری بھتیجی کے قریب بھی آئے۔"

"عالمگیر اگر تم اگلے ایک سیکنڈ میں یہاں سے دفع نہ ہوئے تو میں تمھیں معاف نہیں کروں گا۔" سادات صاحب سرخ ہوتے ہوئے چہرے کے ساتھ انگلی اٹھائے لرزتی آواز میں اسے تنبیہہ کر رہے تھے۔ عالمگیر نے زہر خند نظروں سے تاجور کو دیکھا اور ایک پر شکوہ نگاہ سادات صاحب پر ڈالتا باہر نکل گیا۔ اس کے سارے جسم میں آگ ہی آگ بھر گئی۔ اب وہ خاکستر ہو یا کرے؟

★★★★★★★★★★★

عالمگیر کے ساتھ اس کیفے میں بیٹھے ہوئے اگر اسے عالم کے اوپر صنف نازک کی ڈھیر ساری نظریں محسوس ہوئی تھیں تو خود پر بھی ایک مشکوک نگاہ پڑتی محسوس ہوئی۔ وہ چند دنوں سے اسے نظر انداز کرتا رہا تھا لیکن اب یہ بڑھتا جا رہا تھا۔ گردن پھیر کر دیکھنے پر اسے کونے والی میز پر کوئی نظر آیا تھا۔ نیلی جینز کے ساتھ ہم رنگ ہڈی پہنے اور اسی ہڈی کی ٹوپی سے سر ڈھکے کوئی اسلان یمن ہی کی عمر کا لڑکا تھا جو بار بار اس طرف دیکھتا ہوا نظر آیا۔ اسلان

نے بغیر کوئی رد عمل دیے چہرہ موبائل پر جھکا دیا اور کیمرہ کھولا، ذرا سا زوم کر کے رخ اس لڑکے کی طرف کیا۔ چونکہ اسلان گردن جھکائے ہوئے تھا تو لڑکا اس کے رد عمل یا دیکھ لیے جانے کے خوف سے بے نیاز اب اپنا موبائل نکالے شاید اس کی تصاویر اتارنے لگا تھا۔

"آہ جاسوس؟" وہ بس سوچ سکا۔ موبائل بند کر کے واپس میز پر رکھتے ہوئے اس کے چہرے سے "آگاہی" کا ہر تاثر ختم ہو گیا اور وہ عالمگیر کی بات مکمل توجہ سے سننے لگا۔ اس جاسوس کے پُرزے وہ بعد میں پہلے توڑے گا، پھر جوڑے گا یہ تہیہ کیا اور کافی گھونٹ گھونٹ پینے لگا۔

آج جب سہراب سے گاڑی لے کر وہ لاہور کے لیے نکل آیا۔ ہمیشہ کی طرح اپنے لیے سیاہ سفید کے امتزاج کا لباس منتخب کیا اور نشست پر براجمان ہوا۔ اس کا ذہن منتشر تھا۔ ابھی وہ کالونی سے باہر نکلا ہی تھا کہ اسے سٹریٹ پول سے ٹیک لگائے ہوئے کوئی کھڑا دکھائی دیا۔ اسلان کی آنکھیں پھیل کر سکڑیں، بیک ویو مرر میں اس نے بے حد غور سے وہ چہرہ دیکھا یہ وہی تھا اس کیفے میں نظر آنے والا، بعض دفعہ یافث کے اپارٹمنٹ کے باہر دکھنے والا ۔اس نے گاڑی روک دی۔ دوسری طرف وہ جو کوئی بھی تھا اس اچانک افتاد پر بھاگتے ہوئے پکڑے نہیں جانا چاہتا تھا لہٰذا مجبوراً ٹھہر گیا۔ اسلان اس کے چہرے پر بے آرامی دیکھ سکتا تھا۔

گاڑی کا دروازہ زور سے بند کرتا ہوا وہ باہر نکل آیا۔ چہرے پر سخت کرختگی تھی۔

"ارے اسلان تم یہاں؟" وہ مصنوعی خوشگواری سے کہتے ہوئے آگے آیا۔ یہ انہی لڑکوں میں سے ایک تھا جن سے چند دن قبل اسلان ڈانس کلب میں ملا تھا۔ "میں یہاں گھومنے آیا ہوا تھا سوچا تم سے مل لوں تم گھر پر نہیں تھے اور میں بس نکل ہی رہا تھا۔ دیکھو تم مل بھی گئے۔"

"کہاں جا رہے ہو؟" جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالتے اپنے سامنے کھڑے لڑکے کا مکمل جائزہ لیتے اس نے مشینی آواز میں پوچھا۔ انداز اکھڑا اکھڑا تھا۔

"میں تو بس گھر جا رہا تھا۔"

"یاسر مجھے کیوں لگ رہا ہے کہ تم باس کا کوئی پیغام لے کر آئے ہو اور میرا پیچھا کر رہے ہو؟۔"

لگی لپٹی اس نے پہلے کب رکھی تھی جواب رکھتا۔

یاسر پہلے چونکا پھر سنبھل گیا۔ "تمھیں ایسا کیوں لگتا ہے؟"

"میرے سامنے یہ ڈرامے بازیاں مت کرو، یاسر۔"

اسلان اگر زیرک تھا تو سامنے والا ماہر اداکار۔ "تم مجھے عنقریب ان کا پیغام لاتے ہوئے دیکھو گے اسلان۔ کیونکہ تم ان کی کالز نہیں اٹھا رہے، ان کے میسجز کا جواب نہیں دے رہے۔ تمھیں ایسا نہیں کرنا چاہیے۔" وہ دوستانہ انداز میں کہہ رہا تھا۔ مگر لہجے میں کچھ ایسا تھا جو سرسراتا ہوا ریڑھ کی ہڈی تک جائے۔

"اسی لیے اس نے تمھیں میری نگرانی پر لگا دیا؟ تم کیفے میں بھی تھے پھر یہاں آ گئے ہو اور۔۔۔۔۔" وہ ایک پل کو رکا اور اسلان کے سامنے آ کر ٹھہرا۔

"تم کسی سفری دلال سے بھی ملتے ہوئے نظر آ رہے ہو اگر میں تم پر نظر رکھ رہا ہوں تو مجھے بتاؤ ایسی صورت میں مجھے باس کو کیا رپورٹ دینی چاہئے؟" اس کی نظریں مقابلے کی دعوت دے رہی تھیں۔

"کیا رپورٹ دینا چاہتے ہو تم؟" وہ بغیر اثر لیے بولا۔ لہجہ وہی دوٹوک۔

"دیکھو اسلان میں تمھیں سمجھا رہا ہوں سمجھ جاؤ جو باس چاہتے ہیں وہ کر لو۔ یہ پہلی بار نہیں

ہے تم پہلے بھی ان کے ہزار کام کر چکے ہو، ایک اور بار اگر کر لو گے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اگر تم چاہتے ہو میں "اوکے" رپورٹ بھیجوں تو آئندہ مجھے ریاض کے دفتر میں نظر نہ آنا اور نہ ہی باس کو نظر انداز کرنا تمھارے اور میرے لیے یہ بہتر ہے کہ تم۔۔۔۔"

"اوکے۔" اس کی بات پوری ہونے سے قبل اسلان یمن پوری تابعداری سے بازو سینے پر باندھتے ہوئے بولا۔ یاسر ٹھہر کر اچھنبے سے اسے دیکھے گیا۔ پھر ہاتھ اس کے کندھے پر رکھا۔

"میں تمھیں اضافی رقم بھی دے سکتا ہوں، باس نے کہا ہے اپنے کام پر فوکس کرو۔" وہ کام سے لاعلم تھا بس پیغامات لانا اس کا کام تھا۔

"اوکے۔" وہ ایک بار پھر اسی تابعداری سے بولا۔خود پیچھے ہوا یوں کہ یاسر کا ہاتھ خود بخود نیچے گرا۔اس کے کندھے ڈھیلے پڑے اس نے اسلان کا بازو تھپتھپایا۔

"مجھے تم سے یہی امید تھی، اسلان۔"

"تم میری نگرانی چھوڑ دو یہ میری طرف سے آخری مشورہ ہے۔ورنہ پھر کچھ ہو گا اور تمھیں اچھا نہیں لگے گا۔" اسلان نے بازو جھٹکا تو یاسر کا ہاتھ ایک بار پھر اس کے پہلو میں آ کر گرا۔"میں "کاز" اور "افیکٹ" پر یقین رکھتا ہوں۔وجہ تم دے رہے ہو اور اثر تمھیں پسند نہیں آئے گا۔"

"اسلان باس نے کہا۔۔۔۔"

"تمہارا باس میری جوتی کی نوک پر۔۔۔۔" اس کی سپاٹ آنکھوں میں کچھ کرخت سا ابھرا۔"دوبارہ میرے یا میرے خاندان کے قریب نظر مت آنا ورنہ تم ابھی مجھے جانتے نہیں اور میں نہیں چاہتا کہ میں کسی کو کوئی نقصان پہنچاؤں۔ تمھیں تو بالکل نہیں۔"

سختی سے کہہ کر یاسر پر ایک سخت نگاہ ڈالتے وہ اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔چہرہ سرد نہیں طیش کے سبب سرخ پڑ رہا تھا۔وہ خاموش تھا، پر سکون تھا، کہاں کچھ کر رہا تھا؟

لیکن یہ دنیا اسے یقین تھا یہ دنیا اسے مجبور کرے گی کہ وہ کچھ کرے اور وہ "کچھ" مہذب تو ہر گز نہ ہوتا اتنا اسے بھی یقین تھا۔ گاڑی دوبارہ سڑک پر ڈالتے ہوئے اس کے مضبوط بازوؤں کی رگیں ابھری ہوئی تھیں۔ طیش سے، تنفر سے۔

★★★★★★★★★★

"لاہور ایئرپورٹ"

وہ پنجوں کے بل اوپر کو ہوتے ہوئے رش میں اسے تلاش کر رہا تھا۔ڈھیر سارے ہجوم اور لوگوں میں بلاخر اسے وہ نظر آ گیا۔ سیاہ رنگ کے سلیکس کے ساتھ سفید کف شرٹ پہن رکھی تھی جس کے کف سرمئی سوئیٹر سے نظر آ رہے تھے۔وہ شاہ زید کے سامنے آیا تو وہ تیزی سے آگے بڑھا۔شاہ ویر نے بیگ وہیں گرا دیا اور اس کی طرف دوڑا۔زید اسی تیزی سے اس کے قریب آیا اور اس نے شاہ ویر کو گلے سے لگا کر اوپر اٹھایا۔ دنیا کا سارا سکون مٹھی میں بھر کر زید کے دل پر رکھ دیا گیا۔ سکون، سلامتی سب یہی بھائی ہی تو تھا۔

"کوئی مجھ سے ناراض تھا۔" اسے یونہی گلے سے لگائے شاہ ویر نے ہنس کر کہا۔ گرفت اس پر بڑھائی، یہ دوری اس پر بھی تو بھاری تھی۔ "کیا کریں لوگوں میں تو غیرت ہی نہیں رہی۔"

"غیرت اور دماغ کے اسکرو تو اب میں ٹھیک کروں گا۔ ذلیل نہ ہو تو۔" زید نے اسے نیچے اتارا اور خفگی سے اس سے دور ہوا۔شاہ ویر ہنوز مسکراہٹ دبائے اسے دیکھ رہا تھا۔جو اس کے کندھے تھپک رہا تھا۔چھ ماہ کی دوری تھی، چھ سیکنڈز میں ختم کیسے ہوتی؟

"کیا ہوا ڈارلنگ اب بھی ناراض ہو؟" شاہ ویر نے اسے کھینچ کر دوبارہ گلے لگایا۔زید نے دھکا دے کر اسے دور ہٹایا۔

"اب ناراضگی چھوڑ دے بھائی۔" زید کا چہرے دونوں ہاتھوں میں تھامتے اس کی گردن ہلکی سی اپنی طرف جھکاتے شاہ ویر نے اس کا ماتھا چوما۔ "دیکھو اب تو مان جاؤ یار اپنی آراہ سے پہلے تم سے مل رہا ہوں۔"

زید نے اس کے کندھے پر تھپڑ جڑا پھر بازو اس کے گرد پھیلایا۔ سر نفی میں ہلاتے شاہ ویر کو

مغلظات بکتے وہ دونوں اپنی گاڑی کی طرف جانے لگے۔زید اسے تمکنت کے متعلق کچھ بتا رہا تھا۔شاہ ویر سنتے ہوئے آس پاس دیکھتا ہوا جا رہا تھا۔لوگ ان کی طرف متوجہ نہیں تھے۔وہ لوگوں میں اپنے توجہ کا چہرہ تلاش کر رہا تھا۔

"پھر میں نے ہی مام کو کہا کہ وہ آج نہ آئیں۔ میں تمھیں لے آؤں گا۔ حسین بھی آنا چاہتا تھا۔"

شاہ ویر چلتے چلتے رک گیا۔ جہاں زید کی گاڑی کھڑی تھی وہیں ذرا سے فاصلے پر وہ بھی تھی۔ لباس گہرا سرمئی، بال کھلے ہوئے اور ہلکے پھلکے میک اپ میں بھی وہ عام سا چہرہ شاہ ویر کو سب سے نمایاں نظر آیا۔ وہ اسی کو دیکھنا چاہتا تھا۔ ہر تھکن اتر گئی، ہر کوفت غائب ہو گئی۔

"یہ یہاں بھی آ گئی؟" شاہ زید نے اس کی نظروں کی تقلید میں دیکھا تو ٹھٹھکا۔ "اس دن اس کے چچا اتنے غصے میں گئے تھے مجھے تو لگا اسے دوبارہ تم سے ملنے نہیں دیں گے۔"

"کسی کی اتنی جرات کہ انارا طارون کو مجھ سے دور کرے؟"

"ہاں اتنے تم سلطان راہی۔"

شاہ ویر اسے دیکھ کر ہاتھ ہلانے لگا تھا۔ ہلکی سی دھوپ میں وہ دمکتے چہرے کے ساتھ اسی طرف تک رہی تھی۔ شاہ ویر کو دیکھتے اس کے رخسار سرخ ہوئے، پھر اس نے ہاتھ ہلایا۔

"ویر تمہارے پاس صرف دس منٹ ہیں جلدی مل لو پھر ہم گھر چلیں گے۔"

"ہم آراہ کو اس کے گھر بھی چھوڑیں گے۔" فیصلہ سناتے ہوئے وہ آگے بڑھا۔ شاہ زید کے لب "اوہ" کے انداز میں گول ہوئے۔ بات تو پتے کی تھی۔ قدم قدم چلتے ہوئے وہ اس کے سامنے آ کر رک گیا۔ گہری کتھئی آنکھیں، ہیزل آنکھوں سے ملیں۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ انارا بھی اس کے ساتھ ہلکا سا مسکرائی۔ وہ اس طرح کھڑی تھی کہ ایئرپورٹ کے اندر جاتے اور باہر نکلتے لوگوں کی نگاہ سے اوجھل تھی۔

"میں پاکستان آنے پر سب سے پہلے تمھیں ہی دیکھنا چاہتا تھا۔" اس نے جھک کر آراہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا، وہ پہلے جھینپ گئی پھر دھیرے سے ہاتھ چھڑوایا۔ جسے شاہ ویر نے دوبارہ تھاما اور اب کے گرفت مضبوط تھی۔ اسے یہ ہاتھ چھڑوانا ناگوار گزرا تھا۔

"ویلکم ہوم!" اس نے آسمانی رنگ کے پھولوں کا گلدستہ اس کی طرف بڑھایا جسے شاہ ویر نے تھام لیا۔ ہلکا سا سونگھا، پھر دوبارہ اسے دیکھا۔

"واقعی اب تم یہ کہہ سکتی ہو۔"

"کیا؟"

"ویلکم ہوم۔" وہ اب بھی اسی انداز میں مسکرا رہا تھا۔ نگاہیں مسلسل اسی کے چہرے پر جمی

تھیں۔ باقی ساری دنیا تو غیر ضروری اور اضافی ہو گئی تھی۔ ہر طرف شور تھا اور شاہ ویر کے ارد گرد ایک آواز، ایک چہرہ۔

"میں یہاں تک آ گئی ہوں وہ بھی تمھارے بلانے پر اب میں گھر جاؤں گی ورنہ چاچو غصہ ہوں گے۔" وہ شاہ ویر کی خفگی کے خوف سے متانت سے کہہ رہی تھی۔ "اور خبردار جو تم ناراض ہوئے۔"

"یہ تمھارے چاچو تم پر اتنا حکم کیوں چلاتے ہیں؟" پھول گاڑی کے اوپر رکھتے شاہ ویر نے اس کا دوسرا ہاتھ بھی اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ آراہ نے بے اختیار رخ بدلا، شاہ ویر محظوظ ہوا۔

"وہ سرپرست ہیں میرے۔"

"اچھا پھر شادی کے بعد تمہارا سرپرست کون ہوا؟" اس کا ایک ہاتھ چھوڑ گلدستے سے ایک چھوٹا سا پھول نکال کر اس کے بالوں میں اٹکاتے مکمل توجہ سے پوچھا۔

"تم۔۔۔۔" آراہ نے اپنا ہاتھ چھڑوایا۔

"ویری گڈ، چاچو سے کہو تیار رہیں۔ گن گن کر بدلے نہ لیے تو شاہ ویر بنگش نام نہیں اور تم شادی کے بعد میکے کو بھول جانا اچھا؟"

"ریڈ فلیگ ہے یہ، اب بھی وقت ہے جان چھڑوالو۔" شاہ ویر کا بیگ اٹھاتے وہ کب ان کے ساتھ آکر کھڑا ہوا دونوں دیکھ نہیں سکے۔ آراہ اسے دیکھ کر ہلکا سا مسکرائی۔

"اب تو دیر ہو گئی۔ اسی کے ساتھ گزارا کرنا پڑے گا۔"

"صاف صاف کہو تم مجھ سے بڑا ریڈ فلیگ ہو۔" شاہ ویر خفا ہوا۔ "چلو گاڑی میں بیٹھو باقی حساب وہیں ہو گا اور میں تمھیں گھر بھی چھوڑ دوں گا۔ کافی پینے چلیں؟"

"نہیں میں مینج کر لوں گی اور کافی آج نہیں۔"

"مجھے لگتا ہے تمھیں پروپوز کرتے وقت وہ آخری ہاں تھا جو میں نے سنا تھا۔" اس نے انارا کے لیے دروازہ کھولا۔ "اس کے بعد تو میری ہر بات پر تم نے انکار ہی کیا ہے۔"

"آؤ ناں انارا ہم چھوڑ دیں گے۔" زید نے شائستگی سے پیشکش کی تو چار و ناچار اسے گاڑی میں بیٹھنا پڑا۔ شاہ ویر سے اسے یوں بھی مسئلہ نہیں تھا اسے معلوم تھا شاہ ویر ضرور اسے کچھ کھلانے یا خرید کر دینے کے لیے رکے گا۔ وہ منع کرتی رہ جائے گی لیکن وہ مانے گا نہیں اور زید کے سامنے اسے یہ سب بُرا لگنے والا تھا۔ وہ کیا سوچے گا؟

"کل شام کہیں کافی پینے چلیں؟" گاڑی گھر کے راستے پر تھی اور پچھلی نشست پر بیٹھا شاہ ویر اسے دیکھتے ہوئے مدھم لہجے میں پوچھ رہا تھا۔ "فکر مت کرو کہیں نہیں رکے گی گاڑی تمھیں غیر آرام دہ نہیں کروں گا۔" وہ بار بار اضطرابی انداز میں انگلیاں مروڑ رہی تھی تب شاہ ویر نے بہت محبت سے اسے تسلی دی۔ "کیا کہتی ہو؟"

"کل ممکن نہیں ہو گا۔ کل۔۔۔۔۔ دراصل۔۔۔" وہ بولتے بولتے پھر چپ ہو گئی۔

"اچھا جانے دو۔ یہ بتاؤ تم نے وہ سیریز مکمل کر لی جو کل شروع کی تھی؟"

وہ اس کی بے آرامی محسوس کر گیا تب ہی بات بدل گیا۔ ملے گا تو وہ کل ہی، اب بہانے ردی تھے، رکاوٹیں خاک۔

★★★★★★★★★★★★★

تھانے میں اسے ایک چھوٹی سی دعوت دی گئی جس میں اس کے لیے وہی روایتی پہاڑی کھانا بنا۔ باتیں ہوئیں، قہوے کے دور چلے اور پھر وہ رخصت لے کر گھر آیا۔ گھر کا دروازہ چوپٹ کھلا ہوا تھا۔ گلی میں ایک ٹرک کھڑا تھا جس میں دو لوگ سامان اندر سے لاتے ہوئے ٹرک میں بھرتے جا رہے تھے۔ سہراب گاڑی کا دروازہ لاک کرتے اندر آیا تو اسلان کو صحن کے بیچوں بیچ کھڑے پایا۔ وہ ابتر سے حلیے میں مٹی مٹی بال لیے سامان اٹھا اور اٹھوا رہا تھا۔ وہ خوش تھا یا نہیں سہراب اندازہ نہیں لگا سکا۔ بس مصروف نظر آ رہا تھا۔

"تم نے کھانا کھا تو نہیں لیا؟" سہراب آگے آیا۔ اسٹیل کا ایک ٹفن اس کی طرف بڑھایا۔

"گھر میں جو مرغ مسلم پڑے تھے انہیں کھانے کا دل نہیں کیا۔" وہ ہمیشہ کی طرح کوفت سے بولا اور ڈبہ اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ "اس کو سارے سامان کے اوپر رکھنا شیشے کے برتن ہیں۔" وہ پٹھان مزدور سے پشتو میں بولا۔

"باقی سامان میں اٹھوا لیتا ہوں تم اندر جاؤ کھانا کھاؤ پھر ہمیں نکلنا ہے دیر ہو رہی ہے۔"

"آپ چلے جاؤ میں گھر کی چابی مالک مکان کو دے دوں گا۔ ٹرک بھر گیا ہے بس ایک دو ڈبے رہ گئے ہیں، میں سامان کے ساتھ ہی آؤں گا۔" اس نے ایک ڈبہ اٹھا کر بوڑھے مزدور کو اٹھانے میں مدد دی۔

سہراب نے فکر سے اسے دیکھا۔ کل رات سے اب تک وہ ایک ایک سامان اکھٹا کرنے کو باندھنے میں جتا ہوا تھا۔ بغیر سوئے ساری رات جاگ کر کام کرنے کے بعد اب اگر وہ ٹرک کے ساتھ آتا تو یہ ناانصافی ہوتی۔ اس کے ساتھ بھی اور اس کی کمر کے ساتھ بھی۔

"ٹرک کے ساتھ میں آؤں گا تم میری گاڑی لے جاؤ۔"

"رہنے دیں کہیں ٹھک گئی تو آپ وقت سے پہلے مرنے والے ہو جاؤ گے۔"

"کمال ہے تم گاڑی ٹھوکنے سے ڈر رہے ہو؟ تم وہ نہیں ہو جو کیس پراپرٹی پر اپنی گرل فرینڈ گھماتا تھا؟" وہ مسکرا رہا تھا۔ اسلان ایک لمحے کے لیے بالکل ساکت رہ گیا۔

دن کا اجالا ایک لمحے کے اندر اندر غائب ہوا، ماضی کی چادر آسمان پر اس تیزی سے تن گئی کہ اسلان یمن کو اگر کچھ نظر آیا تو وہ چند سال قبل کا منظر تھا۔ وہ منظر جو بھولے نہیں بھولتا تھا یا شاید اس نے کبھی بھولنا چاہا ہی نہیں تھا؟

ان دنوں سہراب یمن لاہور کے نزدیک ایک چھوٹے سے شہر بھکر میں تعینات تھا۔ تھانے کے نزدیک اسے ایک مکان ملا ہوا تھا جس میں اسلان اور وہ رہتے تھے۔ اس وقت اسلان چائے کا تھرماس اور شامی کباب تَل کر لایا تھا کہ سہراب نے آج تھانے میں عوامی خدمت کا ٹھیکا لیا ہوا تھا اور اس کی ذمہ داریاں بھتیجے کے سپرد کی تھیں۔

"تم سے دو تھرماس کہا تھا ایک کیوں لائے ہو؟" سامان اس کے ہاتھ سے لے کر میز پر رکھتے ہوئے سہراب مدھم مگر غصیلی آواز میں پوچھ رہا تھا۔

"گھر میں دودھ اتنا ہی تھا اور میں بائیک پر دو دو تھرماس کیسے اٹھاتا؟"

"ٹھیک ہے اب جاؤ اور ڈھابے سے ایک اور چائے کا تھرماس بھروا کر لاؤ۔" اس نے جیب سے پیسے نکال کر اسلان کو دیے۔

"بائیک خراب ہے میں نہیں جا رہا۔" ٹکا سا جواب۔ ساتھ ساتھ وہ موبائل پر کچھ ٹائپ کرتا رہا۔

"پانچ منٹ کا ہی فاصلہ ہے تم پیدل بھی جا سکتے ہو۔" وہ سختی سے بولا تو اسلان لب بھینچ کر رہ گیا۔ موبائل پر بار بار "لائم لائٹ" کے پیغامات آ رہے تھے۔ "اپنی اس ماں کو کہو تھوڑی دیر صبر کر لے پیچھے ہی پڑ جاتی ہے۔"

چند ماہ کے اندر اندر پنار اور اسلان ایک دوسرے کے کافی قریب آ گئے تھے۔ وہ ہر ہفتے اس سے ملنے اسلام آباد جاتا، وہ مہینے میں دو بار لاہور آتی اور دن میں کوئی بیس گھنٹے وہ دونوں فون پر باتیں کرتے رہتے۔ پنار سکندر اسلان یمن کی زندگی میں بہار کے کسی جھونکے کی طرح آئی تھی اور کسی عِطر کی طرح سب معطر کر دیا۔ عالمگیر اور سہراب کے اس بارے میں کیا خیال تھے یہ قصہ پھر کبھی۔

"آپ کا کام ہو رہا ہے ناں؟ میرے کام میں مت پڑو۔ دوبارہ اس کے بارے میں کچھ مت کہنا۔" بے زاری سے کہتے کال اٹینڈ کرتے ہوئے وہ تھانے سے باہر آیا۔ احاطے میں ایک نئی ہیوی بائیک کھڑی تھی۔ اسلان کی آنکھیں

چمکیں وہ اسی طرف چلا آیا۔ ہیوی بائیکس سے اس کا عشق سچا تھا، لیکن خریدنے کی استطاعت نہیں تھی۔ قریب آ کر نشست تھپتھپا کر دیکھی۔ ٹینکی پر کچھ داغ تھے بائیک کسی اور کی تھی لیکن دکھ اسے ہوا۔

"میں تمھارے لیے اسلام آباد سے یہاں آ گئی ہوں اور تم تھوڑی دیر کے لیے ملنے نہیں آ سکتے؟" پنار لاڈ سے کہہ رہی تھی۔ اسلان یمن سے وہ جب جب کوئی فرمائش کرتی وہ دنیا یہاں سے وہاں کر کے اس کی ہر فرمائش پوری کرنے کی کوشش کیا کرتا۔ "آجاؤناں، اسلان۔ تھوڑی ہی دیر کی بات ہے۔"

"تم کہاں ہو ابھی؟" بائیک کے دائیں بائیں ٹانگیں رکھ کے نشست نشین ہوتے اس نے پنار سے پوچھا۔ "میں پہنچ رہا ہوں۔" نشست کی پشت پر ٹنگا ہیلمٹ اتارتے ہوئے اطلاع دی۔ حوالدار نے اسے دیکھا اور روکنے کی کوشش کی مگر تب تک وہ تھانے کی حدود سے نکل گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ کیس پراپرٹی کو ہواؤں میں اڑاتے ہوئے پنار سکندر کو پیچھے بٹھائے بھکر شہر کو سر پر اٹھائے ہوئے گھوم رہا تھا۔ پنار اس کی زندگی کا سب سے حسین وقت تھی۔ وہ اسلان پر متعدد پابندیاں لگاتی، اسے زچ کرتی، بار بار بلاک کرتی، ذلیل بھی کرتی مگر وہ تھا کہ ہر شے سہے چلے جاتا کیونکہ اسے لگتا تھا اگر اس کا باپ بھی اس کی ماں کی باتیں برداشت کرتا تو گھر چل سکتا تھا۔ ان کا گھر ٹوٹ گیا لیکن اسلان یمن اپنا اور پنار کا تعلق نہیں توڑے گا۔ وہ دونوں ایک گھر بنائیں گے اور ہمیشہ ساتھ رہیں گے۔

"تم کیمرے سے اتنا گھبراتے کیوں ہو؟" ایک کیفے کے باہر کھڑے کالڈ کافی کا کپ اسلان کے ہاتھوں میں تھمائے وہ کھٹ کھٹ ٹائپ کرتی ہوئی اسلان سے پوچھنے لگی۔ "اتنے جینیئس ہو تم، اچھے خاصے گڈلُکنگ بھی ہو پتا ہے جب تمھیں اپنی ایک ویڈیو میں دکھایا تھا میں نے لوگ تب سے تمھارے بارے میں پوچھتے ہیں اور تم ہو کہ میرے ساتھ ویڈیوز ہی نہیں بناتے۔"

وہ تنگ جینز کے ساتھ کراپ ٹاپ پہنے چھوٹے بالوں کی پونی بنائے ہوئے لڑکی اس وقت کئی نگاہوں کا مرکز تھی۔ اسلان شجاع یمن کے بدن پر گویا انگارے لوٹ رہے ہوں۔ وہ بائیک پر جیکٹ پہنے ہوئے تھی اور اب اسے اتار دیا تھا جو کہ اسلان کو ایک آنکھ نہ بھایا۔

"مجھے کیمرہ نہیں پسند، پنار۔" اس کی آواز بلند ہوئی۔ "تمھیں یہ بات سمجھ کیوں نہیں آتی ہے؟"

"ایکسکیوزمی۔۔۔۔۔ یہ تم مجھ سے کس ٹون میں بات کر رہے ہو؟" وہ یکدم بگڑی۔ ساری خوش مزاجی برباد ہو گئی۔

"میری ٹون نظر آرہی ہے تمہیں اپنا لباس نظر نہیں آرہا؟ یہ کیا پہن کر آگئی ہو۔ سب تمھیں دیکھ رہے ہیں۔" بالآخر اس نے کہہ دیا جو پچھلے آدھے گھنٹے سے اسے چبھ رہا تھا۔

پنار کے سر پر لگی تلوؤں میں بُجھی۔ "تم کہنا کیا چاہتے ہو ہاں؟" کافی کا کپ اس کے ہاتھ سے لے کر اس کے سینے پر دے مارا۔ اس کی شرٹ ساری خراب ہو گئی۔ اسلان نے مٹھی بھینچ لی۔ "تم یہ کہہ رہے ہو کہ میں گھٹیا ہوں لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہوں، تم مجھ پر الزام

لگا رہے ہو۔"

"حقیقت تمہیں الزام لگ رہی ہے؟" وہ مدھم سا غرایا۔ شرٹ کی پرواہ نہ کی۔ "اپنے آس پاس دیکھو اور تب تمھیں پتا چلے کہ میں الزام لگا رہا ہوں یا تمھیں عقل دلوا رہا ہوں۔" وہ ہنوز اسی کاٹ دار انداز میں کہہ رہا تھا۔ پنار سرخ بھبھو کا چہرے کے ساتھ چند پل اسے طیش سے دیکھتی رہی۔

"تم بہت پچھتاؤ گے، اسلان۔ تمہیں اندازہ ہو گا کہ تم نے کیا کیا ہے۔" اس نے انگلی اٹھا کر وارن کیا۔ "دوبارہ مجھے کال نہ کرنا اور میرے گھر آنے کی جرات تو ہرگز مت کرنا۔it's over۔"

"میں بھی تمھارے لیے مرا نہیں جا رہا۔" اس نے کہہ تو دیا مگر وہ اس بات پر اچھا خاصا پچھتانے والا تھا۔ اس کے جانے کے بعد اسی گندی شرٹ کے ساتھ وہ بائیک پر آکر بیٹھا ابھی اس نے گیئر ڈالا ہی تھا کہ کسی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ اسلان نے مڑ کر دیکھا۔ تیوری چڑھ گئی۔ "ہاں بھئی کیا مسئلہ ہے؟"

"یہ میری بائیک ہے تمھارے پاس کیسے آئی؟" دو لڑکوں میں سے ایک بولا۔ اسلان کے چودہ طبق روشن ہوئے مگر ڈھٹائی پر اس کا راج ہی راج تھا۔ "تم نے بائیک چوری کی ہے؟ تھانے چلو میرے ساتھ ابھی کے ابھی۔" آس

پاس لوگ اسی طرف متوجہ ہونے لگے۔ سہراب کی کالز الگ آرہی تھیں شاید حوالدار اسے اسلان کا کارنامہ بتا چکا تھا۔

صد شکر کہ وہ کوئی پڑھے لکھے خاندان کے لڑکے تھے۔ ورنہ چوروں کی درگت بناتے پاکستانی عوام کو وقت کب لگتا ہے؟

"تھانے کی بائیک ہے ایس ایچ او نے بھیجا ہے مجھے چلو تھانے چلتے ہیں۔" سہراب کا کہا ہوا کام اس نے کیا نہیں، پنار ناراض ہو گئی تھی اور اب یہ نیا قصہ گلے پڑ گیا۔ اسکار آج اسے اچھی طرح دیکھے گا اسے یقین تھا۔

تھانے میں تو جو عذاب ہوا سو ہوا۔ لڑکوں کی ضد تھی کہ اسلان یمن پر ایف آئی آر کاٹی جائے۔ سہراب کا زور تھا کہ کوئی بھی معاملہ وہ اس پر آنے نہیں دے گا۔ ایس ایچ او اور تھانے کا سارا عملہ سہراب کی طرف تھا۔

"آپ غلط کر رہے ہیں افسر۔ ہم نے چور کو آنکھوں سے دیکھا ہے ہماری بائیک پر بیٹھا ہوا، ہمارے سامنے دیدہ دلیری سے غائب کروادیا آپ نے؟"

"میرا بیٹا ہے وہ۔ ایف آئی آر بڑی بات ہے اس پر شکایت بھی درج نہیں ہو گی۔ ابھی تو میں آپ کو بتا رہا ہوں کہ یہ بائیک ہمیں ایک ریڈ میں ملی ہے اگر آپ نے زیادہ زبان کھولی تو میں اسی بائیک پر ہونے والے دس ڈاکے آپ کے بیٹے پر ثابت کروں گا۔" سہراب ان دو لڑکوں کے ساتھ آئے آدمی سے کہہ رہا تھا۔

"یہ غلط ہے آپ میرے بچے کے ساتھ ایسا کیسے کر سکتے ہیں۔"

"سوال میرا ابھی یہی ہے۔ جب آپ کو بائیک مل رہی ہے تو آپ میرے بچے کے ساتھ ایسا کیسے کر سکتے ہیں؟" وہ اپنی جگہ سے ہل جاتا تو نقصان اس کی اوٹ میں کھڑے بچے کا ہوتا۔

کچھ دیر بعد معاملہ ٹھنڈا پڑ گیا تو سہراب گھر آیا۔ اسلان کو گدی سے پکڑ کر اس کا چہرہ اونچا کیا اور مارے طیش کے بلند آواز میں چیخا۔ "شرم نہیں آئی تمھیں پولیس پر اپرٹی پر لڑکی گھما رہے تھے؟"

"میری لڑکی ہے گھماؤں گا آپ کو کیا تکلیف ہے؟" وہ جواباً تلخ ہوا۔

"اسلان میں تھپڑ ماروں گا۔"

"کیوں جلن ہو رہی ہے؟ میرے پاس لڑکی ہے اور آپ کے پاس نہیں؟" وہ اسی ڈھٹائی اسی ضد کے ساتھ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے چبا چبا کر کہہ رہا تھا۔ سہر اب کچھ دیر اسے شعلہ بار نگاہوں سے دیکھتا رہا اور پھر بھاری ہاتھ کا ایک تھپڑ اس کے منہ پر دے مارا۔ اسلان ساکت رہ گیا۔ اس روز سہر اب یمن نے پہلی بار اسے تھپڑ مارا تھا۔ یہ آخری بار ہر گز نہیں تھا۔

حال میں وہ خالی خالی نگاہیں لیے سہر اب کو تک رہا تھا۔ اسے پنار یاد آئی تھی، وہ تھپڑ یا کیا؟

★★★★★★★★★★

آشیانہ بنگش میں ملازمین کی دوڑیں لگی ہوئی تھیں۔ میز پر کئی اقسام کے کھانے رکھے تھے۔ سربراہی کرسی پر تمکنت بیٹھی تھی اور اس کے دونوں اطراف شاہ زید اور شاہ ویر۔ رئیس، اس کی بیوی اور بیٹا بھی اسی میز کے گرد جمع تھے۔

"جب میں کہہ رہی تھی واپس آؤ تب تو اتنے بہانے بنا رہے تھے اب کیسے آ گئے تم؟" تمکنت محبت سے اسے دیکھتے ہوئے بہت نرمی سے پوچھ رہی تھی۔ ساتھ اس کے کندھے پر ہاتھ پھیرا۔

"انارا کے گھر سے الٹی میٹم آیا ہے، رشتہ لایا جائے ورنہ ہیر کو کھیڑے لے جائیں گے۔" شاہ زید نے سر پلیٹ پر جھکائے جواب دیا۔

"ہیر، کھیڑے واٹ نان سینس۔ یہ تم کس طرح کی زبان استعمال کرنے لگے ہو؟" تمکنت یکدم بھڑکی۔ "ایک لو کلاس کی طرح باتیں کرنا کب چھوڑو گے تم؟" شاہ زید کی عام سی زبان اور بولنا اس کے لیے ہمیشہ مسئلہ رہا تھا لیکن آج مسئلہ وہ ایک نام تھا۔ "انارا"

زید کے جبڑے بھینچ گئے۔ مہنگی کٹلری والی پلیٹ پر جھکا سر اٹھا کر اس نے اپنی ماں کو دیکھا۔

"ساری کلاس اور بادشاہت کے لیے آپ کا بیٹا ہے ناں شاہ ویر طلال بنگش۔ مجھ معصوم کو بخش دیں مام۔ منہ ٹیڑھا کر کے بولنا اگر لو کلاس ہونے کی نشانی ہے تو میں وہی سہی۔" اس نے بے پر کی اڑائی۔ پھر اپنی پلیٹ میں چاول نکالے اور جلے پر نمک چھڑکتے ہوئے چمچ کی بجائے ہاتھ سے کھانے لگا۔ اپنی ماں کو چڑا کر اسے سکون ملتا تھا۔ جب اس کی ماں کو شاہ ویر اور تاج کے علاوہ کوئی نظر نہ آیا تو وہ کیوں پرواہ کرے؟

"مام مجھے آپ سے اسی بارے میں بات کرنی تھی۔" کھانے سے ہاتھ روکے بیٹھے شاہ ویر نے ماں کو مخاطب کیا۔ "دراصل انارا کے گھر والے چاہتے ہیں کہ ہماری طرف سے کوئی عہد ہو جائے تو زیادہ بہتر ہے۔"

"تم پاکستان واپس آئے کیونکہ انارا چاہتی تھی۔ اب ہمیں پروپوزل لے کر جانا ہے کیونکہ اس کے گھر والے چاہتے ہیں اس سب میں ہم کہاں ہیں؟ وہ لوگ جو کہے جا رہے ہیں ہم مانتے چلے جا رہے ہیں کیا اس طرح ہوتے ہیں رشتے؟" اس کی سفید رنگت میں سرخیاں گھل رہی تھیں۔ وہ نرم سی عورت بلند آواز میں کہتے ہوئے ہانپ رہی تھی۔ رئیس ٹھوڑی تلے ہتھیلی ٹکائے دلچسپی سے سب سن رہا تھا۔ "تم بالکل اس لڑکی کے غلام بن چکے ہو۔ مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی، شاہ ویر۔"

وہ جس نے مکمل توجہ سے ساری تقریر سنی۔ رومال سے لب تھپتھپاتے ہوئے کرسی گھسیٹ کر

اٹھ کھڑا ہوا۔ یہ کرسی گھسیٹنا بھی اسے لرزا گیا۔ زندگی میں پہلی بار وہ اپنی ماں کے خلاف جا رہا تھا۔ "مجھے بھی آپ سے یہ امید نہیں تھی، مام۔" اس نے بس یہی کہا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتے ہوئے ہال سے باہر نکل گیا۔ تمکنت دم سادھ کر رہ گئی۔ اس کا فرمان بردار بیٹا جو اتنی سانس لیتا تھا جتنی اس کی ماں کہے وہ اس طرح کتنے ہی لوگوں کے درمیان اسے رسوا کیے جا رہا تھا؟ متحیر تو وہاں بیٹھے باقی سب بھی ہوئے شاہ ویر کا ایسا ردعمل انہوں نے پہلی بار دیکھا تھا۔

اب میز پر صرف کشیدگی نہیں تھی۔ اب حیرت تھی، تمکنت بنگش کی طرف سے۔

جتاتا تاثر تھا رئیس اور اس کی شریک سفر کی طرف سے۔

اور ناگواری تھی شاہ زید بنگش کی طرف سے۔

"کبھی تو انسان کو انسان سمجھ کر اسے اپنی مرضی کرنے دیا کریں مام۔ ہر کسی کو اپنا غلام سمجھ کر رکھا ہوا ہے۔" زید نے کرسی دھکیلی اور اسی طرف چلا گیا جہاں شاہ ویر گیا تھا۔

"چونکہ اعزازی ڈنر کا مہمان خصوصی ہی یہاں نہیں رہا تو ہمیں بھی چلنا چاہیے۔" نایاب مخدوم نزاکت سے پلیٹ ہٹاتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھی۔ رئیس پر فرض تھا کہ اس کی تائید کرے۔ ان کے جانے پر ان کے جوتوں اور ہلکی آواز میں ہوئے طنز کی آواز تمکنت تک آتی رہی۔

ہر کوئی جب چلا گیا تو وہ ہال میں اکیلی رہ گئی۔ ہر آواز بند، ہر چہرہ غائب۔ وہ تاریک پڑتی رنگت کے ساتھ اکیلی بیٹھی رہ گئی۔ یعنی شاہ ویر نہیں تو کوئی نہیں؟ یہ خیال اس کے ذہن میں اٹک کر رہ گیا۔ ہمیشہ کے لئے۔

اسی لمحے دروازے کے فریم میں اس کی جوانی کی تشبیہہ نمودار ہوئی۔ نم آنکھیں، بکھرے بال، رویا رویا چہرہ۔ وہ اذیت میں لگتی تھی۔ تمکنت شل تھی وہ اس سے کچھ پوچھ بھی نہ سکی۔

"آپ نے کہا تھا مام کہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ آپ نے کہا تھا میں اسے بھول جاؤں گی، وہ مجھے بھول جائے گا سب ٹھیک ہو گا۔ وہ آدمی کبھی میرے معیار تک نہیں آ سکے گا۔" آنکھیں رگڑ کر صاف کرتی وہ آگے آئی۔ "آج وہ وہیں ہے جہاں کئی سال پہلے تھا۔ اس کی اولاد بھی ہے کیریئر بھی۔ وہ آج مجھ پر چیخ رہا تھا مام۔" انگشت شہادت سے سینے پر دستک دی۔ اس کی آنکھیں بہہ رہی تھیں دکھ کم، تنفر زیادہ۔ "آپ کو پتا ہے ایسا کیوں ہوا؟" وہ اس کے قریب آ کر رکی۔ تمکنت نے مردہ ہوتی آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"کیونکہ شاہ ویر جس لڑکی کو اس گھر میں لا رہا ہے وہ عالمگیر یمن کی بھتیجی ہے۔"

کوئی سیسہ تھا جو اس بوڑھی عورت کے کانوں میں انڈیلا گیا۔ اس کی دو اولادیں اسی خاندان کی وجہ سے اس کے

خلاف ہو رہی تھیں اور تیسری کی تکلیف کا سرا بھی انہی سے جا کر مل رہا تھا۔ چند پل کے لیے ہی سہی جس طرح وہ اکیلی ہوئی تھی اسی طرح ان سب کو اکیلا کر

کے مارے گی یہ عہد اس نے خود سے لیا۔

★★★★★★★★★

سوفٹ جوس کے دو کین ہاتھوں میں لیے وہ شاہ ویر کے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر آیا تو وہاں جو واحد روشنی تھی وہ دیوار پر پتھروں سے بنے آرائشی چاند کی تھی۔ اس کمرے میں واحد سرمئی رنگ اسی چاند کا تھا جس کے گرد سفید بتیاں جل رہی تھیں۔ باقی سارا کمرہ سفید رنگ کا تھا۔ پیر دھرو تو میلے ہو جانے کا خوف آئے۔ اس آدمی کو سفید رنگ سے جانے کیسا شغف تھا۔

"ابھی تمہارا بریک اپ نہیں ہوا جو اتنی گندی شکل بنا کر یہاں بیٹھے ہو۔ باہر چلیں کہیں؟ حمزہ کے فارم ہاؤس چلتے ہیں، پارٹی ہے۔" کمرے کی بتیاں روشن کرتے دروازہ لاک کیے وہ پلنگ پر اس کے ساتھ آ کر بیٹھا۔ ایک کین اسے دیا دوسرا اپنے لیے کھولا۔

"بریک اپ ہوا تو نہیں ہے لیکن عنقریب ہو جائے گا۔ دنیا میں روز لاکھوں لوگ پسند کی شادی کرتے ہیں، کامیاب ہوتے ہیں، آسمان کی اونچائیوں تک جاتے ہیں اور ایک میں ہوں جس کا ایک کام سیدھا ہونے لگتا ہے تو آدھی دنیا روڑے اٹکاتی ہے۔" اس نے ایک ہی سانس میں آدھا کین خالی کر دیا۔

زید دھپ سے پلنگ پر لیٹ گیا۔ شاہ ویر کی شرٹ کو پشت سے پکڑ کر اسے اپنے ساتھ گرایا۔ "اس طرح تو ہوتی ہے پھر اس طرح کے کاموں میں۔"

شاہ ویر ذرا سا آگے کو ہو کر اس کے بازو پر سر رکھ گیا۔ وہ دونوں اب چھت کو تک رہے تھے۔ ادھ کھلا اور پورا بھرا کین بستر پر ایک طرف رکھا گیا۔ "تم نے کبھی محبت کی ہے، زید؟"

"یہ کیسے پتا چلتا ہے کہ آپ کو کسی سے محبت ہے؟"

"آسان ہے جب محبت کا نام آئے تو آپ کی آنکھوں کے آگے جس انسان کا چہرہ آئے آپ کو اسی سے محبت ہوتی ہے۔ تمھارے سامنے کس کا چہرہ آتا ہے؟" چھت کی سیلنگ کو تکتے ہوئے سوال کیا۔ سر ہنوز اس کے بازو پر دھرا تھا۔

شاہ زید نے آنکھیں بند کیں۔ ذہن کے پردوں پر چند منظر ٹوٹ کر ابھرے۔ شاہ ویر اس کے ساتھ ہنس رہا تھا، وہ دونوں ایک ساتھ کہیں جانے کو تیار ہو رہے تھے، کسی سفر میں چلتے چلتے وہ تھک گیا تھا شاہ زید اسے پیٹھ پر لادے ہوئے تھا، شاہ ویر کچھ لکھ رہا تھا زید اس کے گھٹنے پر سر رکھے موبائل چلا رہا تھا۔ وہ اپنے باپ طلال بنگش کے ساتھ بیٹھا تھا کسی معتقد مرید کی طرح ان کی بات سنتا ہوا۔ ایک آخری خیال مدیحہ کا تھا۔ وہ ہنسی تو زید اسے دیکھتے ہوئے ہنسا۔ اس کی محبتوں میں وہ کب حصے دار بنی اسے علم ہی نہ ہوا یا شاید ایسا کچھ نہیں تھا یہ بس ایک خیال تھا؟

"کس کا چہرہ تھا، زید؟"

"کیوں بتاؤں؟ اٹس پرسنل۔"

"جیسے کہ میں نہیں جانتا، مدیحہ ہو گی۔" وہ مذاق اڑانے والے انداز میں بولا۔ زید کا دل یکدم زور سے دھڑکا۔ کیا واقعی ایسا تھا؟

"تم سے ایک بات پوچھوں، ویر؟" باپ کا چہرہ یاد آنے پر زید نے شاہ ویر سے پوچھا۔ شاہ ویر کے چہرے کی رنگت بدل گئی۔ اسے علم ہو گیا شاہ زید کیا پوچھے گا۔

"کیا بابا نے تم سے واقعی کچھ نہیں کہا تھا؟ جہاں تک مجھے یاد ہے انہوں نے خود مجھے کال کی تھی اور کہا تھا کہ ان کو مجھ سے ضروری بات کرنی ہے۔ میں جلدی گھر آجاؤں، میں آگیا تھا یار ۔۔۔۔۔۔۔" چھت پر جمی اس کی آنکھیں کناروں سے نم ہوئیں۔ "مجھے دیر ہوئی لیکن تم تو وہاں تھے۔ انہوں نے کچھ تو کہا ہو گا؟"

شاہ ویر کے گلے میں گلٹی ابھر کر معدوم ہوئی۔ کیا وہ اسے بتا دے؟ اگر اسے بتا دیا تو اس کا دل کتنی بری طرح ٹوٹے گا یہ شاہ ویر بہت اچھی طرح جانتا تھا۔

"انہوں نے کچھ نہیں کہا، زید۔" شاہ ویر نے بھائی کا دل چن لیا۔ جانے والا چلا گیا، جو پیچھے رہ گئے وہ اہم تھے۔ "وہ کوئی عام سی بات ہو گی تم اس سب کو بھول کیوں نہیں جاتے؟"

وہ اس سے یہ نہیں کہہ سکا کہ سچ شاہ زید کے گلے میں طوق کی طرح لٹک جائے گا۔ یہ "بار" شاہ ویر ڈھو رہا تھا تو اسے ڈھونے دیا جائے۔ وہ دونوں چپ ہو گئے۔ کافی دیر تک دونوں چپ چاپ لیٹے رہے پھر شاہ ویر نے ماحول ہلکا پھلکا کرنا چاہا۔

"اچھا چلو اب دفع ہو اپنے کمرے میں مجھے سونا ہے۔ کل کچھ کام بھی ہیں۔"

"میں تو آج یہیں سو رہا ہوں۔" زید نے اوندھے منہ لیٹتے اسے سرخ جھنڈا دکھایا۔ "لائٹس بند کرو مجھے نیند آ رہی ہے۔"

"یار پرائیوسی نام کی بھی کوئی چیز ہوتی ہے"

"ہوتی ہو گی یہ پرائیوسی کوئی شے۔ میں پرائی عورتوں سے راہ رسم نہیں رکھتا۔"

شاہ ویر نے جواباً تکیہ اٹھا کر اسے مارا۔ شاہ زید اسے واپس پلنگ پر گرا چکا تھا۔ بچپن کی طرح لڑتے لڑتے انہوں نے سو ہی جانا تھا۔

★★★★★★★★★★★★

چند گھنٹے قبل!

"کہاں سے آ رہی ہو تم؟"

فلیٹ کا داخلی دروازہ بند کرتے ہوئے ابھی اس نے ریک کے قریب جوتے ہی اتارے تھے کہ عالمگیر کی سخت آواز پر وہ دروازے کے درمیان ہی منجمند ہو گئی۔ وہ سلگتی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ جبڑے تنے ہوئے تھے۔ ہال میں جلتی زرد مدھم بتیوں میں آراہ اس کا سرخ پڑتا چہرہ دیکھ سکتی تھی۔ "تم سے سوال کر رہا ہوں کہاں تھیں تم؟"

"میں۔۔۔۔۔۔میں سخن ساز گئی تھی۔"اس نے جھوٹ گڑھا۔

"جھوٹ بولنا آگیا ہے تمھیں؟میں وہیں سے آرہا ہوں،تم وہاں تو نہیں تھیں۔"

آراہ کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔اس کے چہرے کی رنگت سفید پڑ رہی تھی۔"میں۔۔۔۔شاید۔۔۔۔۔اس وقت گھر کے لیے نکل چکی ہوں۔"

"شرم نہیں آرہی تمھیں جھوٹ گڑھتے ہوئے؟"وہ کبھی اتنی بلند آواز میں بات نہیں کیا کرتا تھا،کسی عورت پر چیخنا تو اس کے مزاج کے خلاف ہی رہا تھا مگر آج ماضی کا وہ زخم کھرچا گیا تو ادب و آداب پر پھر اس نے دونوں ہاتھوں سے ڈھیروں ڈھیر لعنتیں بھیجیں۔

"چاچو آئی ایم سوری آپ ایک بار اس سے مل تو لیں پلیز۔"وہ روہانسی ہوئی۔اس کا گھرانہ اتنا دقیانوسی نہیں تھا پھر آخر عالم کیوں ایسا ردعمل دے رہا تھا؟

"میں تمھارے سوری پر لعنت بھیجتا ہوں اگر تم دوبارہ اس سے ملنے کے لیے اس گھر سے نکلیں تو تمہاری ٹانگیں میں اپنے ہاتھوں سے توڑوں گا۔"انگلی اٹھا کر تنبیہہ کی۔"وہ تمھارے لائق نہیں ہے تم سمجھتی کیوں نہیں ہو؟"

"تمہیں کس نے اجازت دی ہے کہ تم میرے گھر میں کھڑے ہو کر میری بھانجی سے اس انداز میں بات کرو۔"باورچی خانے سے آتے یافث نے کرختگی سے کہا۔

"ساری ڈھیل تمہاری دی ہوئی ہے ورنہ اس کی یہ جرات نہیں تھی کہ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جھوٹ بولے۔"

"اس کے سارے معاملے مجھ سے ہیں۔اس کی تحویل میری بہن کے پاس ہے یعنی میرے پاس اور یہ گھر میرا ہے یعنی اس کا۔عالمگیر صاحب ہوتے کون ہو تم میری بھانجی سے اس طرح بات کرنے والے؟تم تو تحویل کے اس قصے سے بھی بے زار تھے ناں؟تم وہی ہو جو آج تک سہراب اور مجھ سے اس بات پر خفا ہے کہ ہم نے بچوں کو کیوں ساتھ رکھا ایسا ہی ہے ناں؟"وہ سرخ چہرہ لیے بلند آواز میں کہہ رہا تھا۔"اب جب میں نے اسے بڑا کیا تب

بیس سال بعد تمھیں مجھ سے سوال کا کوئی حق نہیں۔"

"کس بات پر اکڑ رہے ہو؟ تحویل پر یا اپنے گھر پر۔ دو دن لگیں گے مجھے جج خرید کر اس کی تحویل تم سے لے کر دکھاؤں گا۔" وہ دونوں الجھ پڑے آراہ لب کاٹتی کھڑی رہ گئی۔

"جاؤ اجازت ہے جو مرضی کرو۔"

"میں سہر اب نہیں ہوں تم مجھ سے اس طرح بات نہیں کر سکتے۔" عالم گرجا۔

"میں تم دونوں بھائیوں پر دونوں ہاتھ اٹھا کر لعنت بھیجتا ہوں۔" یافث اس سے زیادہ بلند آواز میں غرایا۔

عالمگیر کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ایک ایک بنگش کو سڑک پر کھڑا کر کے درے مارے اور یافث طارون کو تو باقاعدہ آگ میں جھونکے۔ "میں آراہ کا دشمن نہیں ہوں، سمجھنے کی کوشش کرو۔"

"اس وقت تم شکل گم کرو۔"

"میں تم سب کو دیکھ لوں گا۔ تم سب باقاعدہ پچھتاؤ گے۔" انگلی اٹھا کر اسے تنبیہہ کرتے ہوئے وہ آراہ کے سامنے سے گزر کر باہر چلا گیا۔ انارا وہیں چوکھٹ پر جمی کھڑی رہ گئی۔ یافث نے اسے دیکھا۔ اس کی نظروں میں سختی نہیں تھی تو نرمی بھی نہیں تھی۔

"سہر اب اور اسلان آدھے گھنٹے میں پہنچنے والے ہیں۔ ان کا انتظار کرنا، آج یہ معاملہ ختم ہو کر رہے گا۔" وہ کہہ کر دوبارہ باورچی خانے میں غائب ہو گیا۔ یہ چھوٹا سا گھر اس پر مزید تنگ پڑنے لگا۔

★★★★★★★★★★

"چند گھنٹے بعد!"

لعل یمن کی جگہ یہ بیٹھک یافث طارون کے فلیٹ پر سجی تھی۔ انارا مجرموں کی طرح سر جھکائے صوفے پر ایک طرف بیٹھی تھی۔ اسلان اب تک گھر نہیں پہنچا تھا۔ عالمگیر اور یافث بھی وہیں جمع تھے۔ ماحول میں تناؤ تھا۔ ہر کسی

کے چہرے پر عجیب کھنچاؤ۔ آج آراہ کو اپنی ماں کی کمی شدت سے محسوس ہو رہی تھی۔ اگر وہ ہوتی تو اس وقت گھر کے تین مردوں کے سامنے وہ بیٹھ کر انارا کے ثالثی ہونے کا کردار ادا کر رہی ہوتی۔ اب تک یافث "اس" لڑکے کا حسب و نسب جان چکا تھا اور وہ بری طرح ششدر تھا۔ عالم اسے "میں ناں کہتا تھا؟" والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اب تو یافث خود بھی "چنگے پھسے آں" جیسا محسوس کر رہا تھا۔

"یہاں منہ میں دہی جمانے کے لیے بیٹھے ہیں ہم؟" سب سے پہلے عالم نے زہر اگلا۔ "اگر یہ گول میز کانفرنس اس لیے سجی ہے کہ میری رضامندی شامل کی جائے تو میں انکار کرتا ہوں، آج بھی، کل بھی اور ہمیشہ۔"

سہراب نے سمجھنے والے انداز میں سر ہلایا اور اسے غور سے دیکھا۔ "اپنی تین شادیوں میں تم نے ہمیں کتنی شادیوں میں مشورے کے لیے شریک کیا تھا؟"

"تیسری تم نے ہی کروائی تھی باقی دو۔۔۔۔۔۔" وہ رکا۔ "میں مرد ہوں میرا معاملہ مختلف ہے۔"

"انارا کا معاملہ تمہارا معاملہ نہیں ہے تم اپنی بیٹی کی فکر کیا کرو۔" یافث کی طرف سے بھی اس

کی انا پر کاری وار ہوا۔ وہ بل کھا کر رہ گیا۔

"یعنی اب میں غیر خاندان ہوں؟"

"خیر۔۔۔۔۔ سہراب نے ہاتھ بڑھا کر انارا کو اپنے قریب بلایا۔ "کسی کو پسند کرنا یا کسی سے شادی کی خواہش رکھنا غلط نہیں ہے۔" آراہ اس کے قریب چلی آئی تو سہراب نے اسے بازو کے حلقے میں لیا اور اس کا بازو تھپتھپایا۔ بیچاری بچی کو ہراساں ہی کر دیا تھا۔ "بس مجھے کچھ چیزیں کلئیر کرنی ہیں، تم دونوں کتنے عرصے سے ایک دوسرے کو جانتے ہو؟"

"تقریباً دو سال۔" اس کے حلق سے بمشکل آواز نکلی۔

"شراب، یا پھر کوئی اور نشہ؟"

"اسے نہیں پسند، نہ میں نے کبھی دیکھا۔"

"ماضی میں کوئی بُرا ریکارڈ؟"

"مجھے آج تک ایسا کچھ نہیں پتا چلا۔ وہ واقعی بہت اچھا ہے چاچو۔" اس نے نم آنکھوں سے سہراب کو دیکھا۔

"دو دن دو مجھے اس کا کالا چٹھا نہ نکال کر سامنے رکھا تو عالمگیر یمن ایک باپ کا نہیں۔" اس نے ایک بار پھر مداخلت کی۔

"تم اس وقت ہمارے درمیان نہیں ہو، عالم۔" سہراب نے دوٹوک انداز میں کہا۔ "یا تو بیٹھ کر چپ چاپ ہماری بات سنو یا پھر یہاں سے دفع ہو جاؤ۔"

"کیوں جاؤں میں یہاں سے میں یہاں اسی حیثیت سے موجود ہوں جس سے تم۔"

"تمہاری کوئی حیثیت نہیں ہے یہاں، تم تو اس بات کے بھی خلاف تھے کہ ہم بچوں کو پالیں۔ اب برائے مہربانی یہاں سے دفعان ہوتے نظر آؤ۔" وہ سختی سے کہہ رہا تھا۔

"تم اس طرح مجھے خاندان سے نکال نہیں سکتے۔ مجھ سے اس گھر کے معاملات نہیں چھپا سکتے۔" وہ سرخ چہرے کے ساتھ بلند آواز میں تنبیہہ کر رہا تھا۔

"بالکل کیونکہ باتیں چھپانا تو صرف تمہارا شیوہ ہے ناں؟" وہ بھی جواباً اتنی ہی بلند آواز میں غرایا۔ "تمہیں اس سارے معاملات میں انوالو ہونا ہے ناں؟ تم چاہتے ہو فیملی راز نہ رکھے تو سب سے پہلے تمہاری طرف آتے ہیں بتاؤ پھر تم پچھلے دو ماہ کہاں گزار کر آ رہے ہو؟" کوئی لوہے کا بوٹ تھا جو عالمگیر کے منہ پر آ کر لگا اور چھپاک چھپاک اپنے نشان چھوڑ گیا۔

عالمگیر لب بھینچ کر رہ گیا۔ "تم میرے باپ مت بنو۔"

"اور تم رازوں کی بات نہ کرو۔ تم جیسوں پر اچھی نہیں لگتیں ایسی باتیں۔ بے غیرت آدمی۔ یہاں میں تمھارے

لیے خوار ہو رہا ہوں اور تم دو ماہ سے رہا ہو کر پتا نہیں کہاں جھک مار رہے ہو۔" کتنے دنوں کا بھرا ہوا آتش فشاں آج پھٹ گیا۔ آراہ اور یافث تو چپ سے اسے دیکھ رہے تھے۔

عالم ایک جھٹکے سے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ "کوئی جھک نہیں ماری میں نے۔ صرف دو ماہ گھر سے دور گزارے ہیں کوئی گناہ نہیں کیا۔"

"اور تمھارے بینک اکاؤنٹس سے ایک خطیر رقم جو کہ امریکا بھیجی گئی ہے اس کا کیا؟ کس ماں کے لیے وہاں ہوٹل بک کروا رہے تھے؟"

"اٹس پرسنل!" وہ مڑا اور چبا چبا کر کہا۔

"بالکل پرسنل کاموں کے لیے تم چار ماہ کی سزا کو چھ ماہ بتاتے ہو، دو ماہ خالی بینک اکاؤنٹ ہونے کے باوجود نیویارک جیسے شہروں میں پیسے بھیجتے ہو اور تمہاری واپسی پر اچانک تمھارے اکاؤنٹ میں پچاس لاکھ آجاتے ہیں لیکن اس سب کو چھوڑ کر تم یہ جاننا چاہتے ہو کہ تمہاری بھتیجی کس سے ملنے گئی اور کیوں گئی؟" سہراب کے لہجے میں اب بھی سختی تھی۔

عالمگیر کے ابرو استہزائیہ انداز میں اوپر کو اٹھے۔ "اس کی شادی اس گھٹیا خاندان میں کرواؤ یا ساری زندگی کنوارہ رکھو اب میرا اس سارے معاملے سے کوئی سروکار نہیں۔i am out"

"تھینک یو سو مچ، اب آپ جہنم میں جاسکتے ہیں۔" سہراب پرتپش انداز میں بولا۔

وہ چلا گیا۔ ایسے جیسے طوفان آتے جاتے ہوں۔ اس کے جانے کے بعد سہراب نے آراہ کو دیکھا۔ یافث اب تک دروازے کو دیکھ رہا تھا۔ عالم کو بات کرنے کا طریقہ نہیں تھا، لیکن اس معاملے میں وہ عالم سے متفق تھا۔

"کل شام پانچ بجے اسے کسی نزدیکی کیفے بلوا لینا۔ باقی معاملات بعد میں طے کیے جائیں گے۔" وہ اٹھا، ایک نظر یافث کو دیکھا۔ "پہلی ملاقات صرف میری اور اس کی ہو گی۔"

صوفے پر بیٹھی انارا طارون کا دل اگر خوش ہونا تھا تو نہیں ہوا۔ ہر گزرتا دن اسے بد دل کر رہا تھا۔ شادیاں اس طرح ہوتی ہیں؟ کیا اتنے مسائل؟ کیا اس کی ماں نے اپنی تلخ شادی توڑ کر واقعی اچھا کیا؟ اس وقت وہ یہ نہیں جانتی تھی کل کی ملاقات محض ایک فارمیلٹی ہو گی۔ اس خاندان کے متعلق خیال سہراب کے وہی تھے جو عالمگیر یمن کے، وہ بس ذہین تھا اصول اور پینترے بدل کر کھیل رہا تھا۔

★★★★★★★

یافث کے فلیٹ پر ہوتی گھماسان جنگ سے بالکل بے خبر وہ اپارٹمنٹ بلڈنگ کے پارکنگ لاٹ میں گاڑی کھڑی کر کے دودھ، دہی اور جمے ہوئے گوشت کے تھیلے ہاتھوں میں لیے باہر نکل آیا تو اپنی پشت پر کسی کی نظروں کی چبھن دوبارہ محسوس ہوئی۔ اسلان وہیں رک گیا۔ آنکھیں بند کر کے کھولیں ڈھیر سارا ضبط ہوا کے ذریعے سانسوں سمیت اندر انڈیلنا چاہا لیکن یہ بڑی برداشت کے قصے تھے اور اس کی برداشت کی حد بالکل ختم ہو چکی تھی۔ چند لمبے گہرے سانس لیتے وہ وائٹ کڑاہی کا سوچتے پارکنگ لاٹ سے نکل آیا۔ اب وہ کھانا کھائے گا لیکن اس سے پہلے اسے کچھ کھاتے چکتا کرنے تھے۔

اپارٹمنٹ کا جنگلہ پار کرتے ابھی وہ اندر داخل ہوتا کہ اس نے قریب ہی کھڑے یاسر کو بالکنی کی طرف دیکھتے ہوئے پایا۔ رات کا سمے تھا۔ کئی بتیاں بجھی ہوئی تھیں لیکن اسلان کی بہن کے کمرے کے ساتھ ملحقہ بالکنی روشن تھی۔ یاسر اسے دیکھ کر ہلکا سا مسکرایا۔ پھر اسلان کو دیکھا۔

"تم نے بتایا نہیں اسلان تمہارے گھر میں تمہاری بہن بھی ہے؟" وہ دانت نکوستے ہوئے خباثت سے ہنس رہا تھا۔ "اتنی اچھی اور "پیاری" فیملی ہے تمہاری کیوں باس کو تنگ کر کے ان سب کو خطرے میں ڈال رہے ہو۔" سگریٹ لبوں میں دباتے اسے شعلہ دکھایا کوئی ایسا ہی شعلہ اسلان کے دل کو بھی جھلسا گیا۔

اس نے ایک لمبی سانس اندر کھینچی، پھر یاسر کو دیکھتے ہوئے ہلکا سا مسکرایا۔ ٹھنڈی، عجیب سی مسکراہٹ۔ یوں جیسے وہ کوئی فیصلہ کر چکا ہو۔ اس لمحے وہ کوئی مختلف انسان لگا۔

"میں نے تم سے کہا تھا یاسر میرا پیچھا چھوڑ دو، اپنے باس سے کہو کہ میرے پیچھے نہ آئے لیکن

تم نہیں سمجھتے ہے ناں؟" وہ ایسے پوچھ رہا تھا جیسے کوئی انسان بار بار انکار کر کے بس تھک گیا ہو۔ جیسے کسی نے اسے مجبور کر دیا ہو۔

"کیا کریں؟ جاب تو کرنی ہے ناں اسلان۔ تم نہیں کرو گے تو تمھارے پیچھے ہم سب بھی کام چھوڑ دیں کیا؟" دھوئیں کے مرغولے فضا میں چھوڑتے ہوئے کمینگی سے کہا۔

اسلان نے سمجھنے والے انداز میں سر ہلایا۔ تمام تھیلے اٹھا کر چوکیدار کے سامنے رکھے۔ "آپ دس منٹ تک ان کا خیال رکھیں میں بس ابھی آیا۔"

"جلدی آ جانا بیٹے یہاں بلیاں آتی جاتی رہتی ہیں۔" انہوں نے ہدایت کی اسلان سر ہلاتے ہوئے یاسر کی طرف آیا۔ چہرے پر کوئی خاص تاثرات نہیں تھے۔

"چلو کہیں بیٹھ کر بات کرتے ہیں؟" سنجیدگی سے کہا۔ "یہاں میرے جاننے والے لوگ ہیں۔"

یاسر نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔ پھر سر ہلا دیا۔ اسلان اسے ساتھ لیے آگے آیا۔ چند منٹ بعد وہ بلڈنگ سے آگے تاریک سی گلی میں تھے۔ جہاں ہلکی سی زرد روشنی تھی یا پھر یاسر کے لبوں میں دبے سیگریٹ کا شعلہ۔ چوڑی سڑک تاریک اور سنسان تھی۔ یاسر سارے راستے اسے سمجھاتا رہا اور غیر محسوس انداز میں اسے وہ پستول بھی دکھائی جو اس کی جینز کی جیب میں تھی۔ شاید وہ اپنی دھاک بٹھانا چاہ رہا تھا۔ اسلان سارا راستہ اسے یہ باور کرواتا رہا کہ واللہ وہ ڈر چکا ہے اور اب اپنی بقیہ تمام زندگی باس کے اشاروں پر ناچ ناچ گزارے گا۔

"مجھے پتا تھا تم میری بات مان جاؤ گے۔ باس نے آج تک تمہاری بہت مدد کی ہے اسلان۔ تمھیں ان کی ہر بات ماننی ہی چاہیے۔"

گلی میں مڑنے کو ایک نکڑ آیا جہاں کچرے کے بڑے بڑے ڈرم رکھے تھے۔ اسلان چلتے چلتے رک گیا۔ اس کی آنکھیں بدلیں، اعصاب تن گئے، لمحوں کا کھیل تھا وہ پورے کا پورا نیا انسان بن گیا یا شاید انسان ہی نہ رہا۔

"اگر تم باس کے آگے دم ہلانے کے علاوہ میری بات سن لیتے تو مجھے اس نہج پر نہ آنا پڑتا۔" وہ بازوؤں کے کف

موڑ رہا تھا۔ تیوری چڑھ گئی تھی۔ ”لیکن تم جیسے لوگ شرافت کی زبان سمجھ لیں تو مجھ جیسے شرفاء کو اس نہج پر کیوں آنا پڑے؟“ چلتے چلتے اس نے اپنا بازو یاسر کی گردن کے گرد کسا اور گھٹنے کی ایک زور دار ضرب اس کی ریڑھ کی ہڈی پر دے ماری تضاد یہ کہ وہ اپنا بھاری ہاتھ اس کے منہ پر رکھ کر ہر آہ و بکا کا گلا گھونٹ چکا تھا۔ یاسر تڑپ کر رہ گیا۔

”کیا کر رہے ہو۔۔۔۔۔۔۔ اسلان۔۔۔۔۔۔ اسلان۔۔۔۔ چھ۔۔۔۔ چھوڑو۔۔۔۔۔ باس۔۔۔۔۔ تمھیں۔“ وہ جھٹپٹانے لگا۔

”تم نے اس دن پوچھا تھا ناں کہ تم باس کو کیا رپورٹ دو گے؟“ ایک اور ضرب مار کر اسے گھٹنوں پر لاتے ہوئے وہ اس کے کان کے پاس غرایا۔ ”تم او کے رپورٹ بھیجو گے، یاسر۔“ ایک ہاتھ اس کی گردن کے گرد سختی سے کسے اسے پوری طرح سے اپنے شکنجے میں لیے وہ دوسرے ہاتھ سے یاسر کی جیب سے اس کی پستول نکال گیا۔ یکے بعد دیگر کئی بار اس کا سر کچرے کے ڈرم میں دے مارا، وہ چیخنے کی کوشش کرتا تو اسلان کا بھاری ہاتھ آڑے آجاتا۔ اسے بالوں سے گھسیٹ کر کچرے کے ڈرم میں اس کا منہ گھساتے اسلان ایک لمحے کے لیے بھی گرفت ڈھیلی نہیں چھوڑ رہا تھا۔

”تمھارے باس نے تمھیں بتایا ہو گا ناں کہ میں کون ہوں؟“ پستول کا ٹھنڈا لوہا اس کی پسلیوں پر رکھے وہ اسی مشینی انداز میں پوچھ رہا تھا۔ چہرے پر ڈھونڈنے سے بھی رحم کا کوئی شائبہ نہیں تھا۔ ”تم اب باس کو او کے رپورٹ بھیجو گے اور اگر ایسا نہیں ہوا۔۔۔۔“ اس نے پستول ہاتھ میں بھرتے ہوئے پوری قوت سے اس کی گردن پر دے ماری۔ یاسر دوہرا ہو کر سیدھا ہوا اسلان نے اس کا منہ کچرے کے ڈرم سے نکال کر سیدھا کیا اور ایک مکا اس کی ناک پر مارا۔ گرفت ڈھیلی چھوڑ دی یاسر سڑک پر گر گیا اور گہری سانسیں لینے لگا۔ خون کی ایک پتلی لکیر اس کی ناک سے بہہ نکلی۔ ”تو اگلی بار یہ پستول میں کہاں اور کیسے استعمال کر سکتا ہوں یہ بات ابھی تم نہیں جانتے۔“ کہتے ہوئے اس نے یاسر کی پسلیوں کے درمیان پانچ سے چھ دفعہ لاتیں رسید کیں۔

”کیا کہو گے؟“

کھڑے ہو کر اس کی پسلیوں میں زور سے ایک لات مارتے ہوئے اس نے پستول سڑک پر پھینک دی۔اس کی گردن سرخ ہو گئی تھی تنفس تیز۔یاسر چہرے پر رندھا ہوا تاثر لیے اسے دیکھ رہا تھا۔یہ وہ تو نہیں تھا۔باس نے کہا تھا اسلان یمن ایک عام سا لڑکا ہے یہ عام تھا؟

"مجھے بار بار اپنی انرجی ضائع کرنا نہیں پسند جو کہا ہے وہ ہو جانا چاہیے۔" انگلی اٹھا کر اسے تنبیہہ کرتے ہوئے وہ چند لمحے وہیں کھڑا رہا پھر ایک اور لات اس کے منہ پر مار تا منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑاتے ہوئے وہ وہاں سے ہٹ گیا۔

وہ چلا گیا تو یاسر نے جی بھر کر اسے گالیاں بکیں۔اس کا جوڑ جوڑ بری طرح دکھ رہا تھا۔اسلان کپڑے جھاڑتے ہوئے واپس عمارت تک آیا۔اپنا سامان لیا دہی، دودھ، ملائی اور گوشت چیک کیا پھر سنجیدگی سے چچا کو دیکھا۔اس سنجیدگی میں کوئی عیاری نہیں تھی۔وہ واقعی ایک شریف سا انسان نظر آ رہا تھا۔

"آج آپ گھر سے کھانا مت لانا میں وائٹ کڑاہی بنا رہا ہوں نیچے بھجوا دوں گا۔"

چچا نے سر ہلا دیا اور اسے دعائیں دیں۔بقول یاسر کے وہ شریف سا لڑکا گھر کا سامان لیے اپنے اپارٹمنٹ کی طرف بڑھ گیا۔ہاں اس کے بوٹ کے تسمے ڈھیلے ہو گئے تھے، اب اسے باندھنے

پڑیں گے ہاہ۔

★★★★★★★★★★★★

"کل شام پانچ بجے، کیفے چائے خانہ!"

شاہ ویر بنگش کے موبائل پر پیغام جگمگایا تو اس کی نیم خوابیدہ آنکھیں پوری کھل گئیں۔البتہ سینے پر زید کی ٹانگوں کا بوجھ تھا وہ ہمیشہ کی طرح عجیب بے ڈھنگے انداز میں سو گیا تھا۔زید کو لات مار کر ایک طرف کرتے وہ موبائل اٹھا کر سیدھا ہو بیٹھا۔پیغام کا جواب دینے کے بجائے اسے کال ملائی۔دھند زدہ صبح میں بالکونی میں کھڑی انارا کا موبائل بجا تو اس نے موبائل کان سے لگایا۔کافی کے مگ سے نکلتا دھواں بھی اسی دھند کا حصہ بن رہا تھا۔

"زہے نصیب آج ملکہ عالیہ ہمیں خود ہی شرف ملاقات بخش رہی ہیں؟" نیند میں ڈوبی اس کی خمار زدہ آواز سن کر اس نے چند پل آنکھیں موند کر اسے محسوس کیا۔ "میں بھی ملنا چاہ رہا تھا تم سے پوچھنا تھا کہ مام کو کب بھیجوں۔"

"میں فی الحال نہیں مل سکتی۔ اس کیفے میں تم چاچو سے ملو گے۔" اس نے مدھم آواز میں کہا۔ شاہ ویر کی نیند بھک سے اڑی۔

"ایک دو دن ڈیلے نہیں کر سکتے؟" وہ بے ساختہ بولا۔

"(میں تمہاری کوئی ڈرامے بازی اس وقت افورڈ نہیں کر سکتا کل شام تم ایجنٹ سے مل رہے ہو اور یہ فائنل ہے۔" شاہ زید کی آواز اس کے کانوں میں ابھری۔)

"تم ایک بار پھر مجھے ٹالنا چاہ رہے ہو تو صاف صاف کیوں نہیں کہہ دیتے؟"

"میں تمہیں کیوں ٹالوں گا یار؟" وہ بے اختیار کراہا۔ ایک بار پھر جھگڑا؟ او نہوں۔ "میں پہنچ جاؤں گا تم بالکل فکر مت کرو۔ او کے؟"

آراہ جواب میں کچھ نہیں بولی۔ "اچھا پرسوں مل سکتے ہیں ہم؟ ناں مت کہنا پلیز۔"

"چاچو نے منع کیا ہے۔" وہ بے دل تھی۔

"اس کا حل میں نکال لوں گا۔ ڈونٹ وری۔"

وہ دیوار کے ساتھ لگ کر نیچے بیٹھ گئی۔ بالکنی میں لگے آئینے میں وہ نہ جانے کیوں اپنا اور شاہ ویر کا موازنہ کر گئی۔ وہ ہر لحاظ سے اس سے بہترین تھا چہرہ، دولت، فن، شہرت سب تھا اس کے پاس۔

"تم مجھ سے شادی کیوں کرنا چاہتے ہو، شاہی؟"

وہ ٹانگوں سے کمفرٹر ہٹاتے ہوئے پلنگ سے نیچے اترا۔ "تم اگر لمبی چوڑی غزلیں سننا چاہتی ہو تو

یہ سب میں کئی بار کہہ چکا ہوں۔ آج کھری بات کر لیتا ہوں۔" واک ان کلازٹ میں داخل ہوتے ہوئے اس نے ہینگر میں لٹکے کپڑے یہاں سے وہاں کرتے ہوئے کہا۔ "جب تمھیں پہلی بار مری میں دیکھا تھا اس دن سے مجھے یہ پتا تھا کہ "تم ہی ہو" وہ لڑکی جس کے ساتھ میں ساری زندگی گزار سکتا ہوں۔ لیکن پھر کچھ عرصہ بعد مجھے اپنی یہی سوچ بچکانہ لگی۔ میں امریکا آ گیا لیکن تم۔۔۔۔۔۔" وہ ہلکا سا مسکرایا۔

"تمہارا خیال میرے ساتھ آیا۔ میں تمھیں بہت سوچتا تھا۔ پتا نہیں کیوں۔۔۔۔۔۔ مری کی وہ گلی، وہ بک سائننگ میں کچھ نہیں بھول سکا۔ وہ سب ایک بہانہ تھا میں تمھیں نہیں بھول سکا، انارا۔ اچھی یا بری تم یاد بن کر میرے ساتھ تھیں۔"

"اپنا نظر انداز کیا جانا بھی نہیں بھولے؟"

"وہ تو ہرگز نہیں۔" اس نے ہمیشہ کی طرح سفید رنگ کا لباس نکال کر رکھا اور خود الماری کے ساتھ ٹیک لگا لی۔ پیر قینچی کی صورت جوڑ لیے۔ "میں نے زندگی میں کئی عورتیں دیکھی ہیں۔ خوبصورت، پرکشش، حسین لیکن کوئی بھی تم جیسی نہیں تھی۔"

"مجھ جیسی کیسی؟" آنکھیں بند کیے اس نے جاننا چاہا۔

"شفاف اور مقدس۔" اس نے دو الفاظ گنوائے۔ "تمہارا مجھ سے بار بار ملنا طے تھا کیونکہ تم

میرے لیے ہی تھیں۔ ہمیشہ سے۔ تم سے شادی کرنے کی وجہ صرف محبت نہیں ہے وہ احساس ہے جو مجھے تمہارے ساتھ محسوس ہوتا ہے۔ ہم الگ الگ ہیں تو دو انسان ہیں اور اگر ساتھ ہیں تو تم وہ رنگ ہو جو کسی بھی مصوری کو مکمل کر دے۔"

"یعنی؟"

"تم میری کاملیت ہو، انارا۔ یہ دنیا میں نہیں ملتی لیکن مجھے مل گئی ہے۔ اسی لیے تم سے کہتا ہوں، فکریں چھوڑ دو تمھیں تو خود سے میں خود بھی دور نہیں کر سکتا۔ یہ دنیا اور لوگ کون ہیں؟"

اس کے بے رونق چہرے پر اب چمک تھی، آنکھیں نم۔ ”تم نے کہا تھا تم میری شان میں غزلیں نہیں لکھو گے۔“

”کیا کروں محبت مزاج آدمی ہوں تمھارے سامنے ہر دعوی، ہر انا چھوڑ دیتا ہوں۔ قدر کیا کرو میری۔“

”کل چاچو کریں گے تمہاری قدر۔“ اس کا مزاج اچھا ہونے لگ گیا۔

”دیکھ لیں گے ایسے چاچے مامے، آپ بس خوش رہا کریں مسز بنگش ٹُوبی۔“

انارا نے جواب دیے بغیر فوراً کال کاٹی، دونوں ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپ لیا۔ جو سرخ ہو رہا

تھا۔ دوسری طرف شاہ ویر بنگش ٹھنڈی گہری سانس لیتے ہوئے سکرین پر اس تصویر کو دیکھ رہا تھا جو کئی برس قبل سڑک پیومنٹ کے قریب لی گئی تھی۔

اس کی زندگی کا بہترین وقت یہاں مقید تھا۔ اس کے موبائل کا وال پیپر۔

★★★★★★★★★★

”اگلا دن!“

کندھے پر بستہ لٹکائے بوٹوں والے پیروں سے پتھروں کو ٹھوکر مارتے ہوئے وہ سڑک کنارے چل رہی تھی۔ پیسے آج وہ گھر بھول آئی تھی اور ہانیہ کو اس کا بھائی لینے آ گیا۔ اس لیے آج یونی ورسٹی سے واپسی پر وہ پیدل یاترا کرنے پر مجبور تھی۔ تھوڑا آگے جا کر اس نے رکشہ کروانے کا سوچا تھا۔ لیکن فی الحال اسی طرح مزہ آ رہا تھا۔

چلتے چلتے دفعتاً وہ ٹھٹھک کر رکی۔ سڑک کے کنارے کُتے کا چھوٹا سا بچہ زبان نکالے بیٹھا تھا۔ وہ اتنا چھوٹا اور کمزور تھا کہ بامشکل چل پاتا ہو گا۔ کتے، بلیاں اسے ان جانوروں سے عجیب کوفت ہوتی تھی۔ مگر کسی کی تکلیف دیکھ پانا یہ ہر کوفت کو مات دے دیتا تھا۔ اس نے بیگ سے دستانے نکال کر ہاتھوں پر چڑھائے, پھر بسکٹ کا پیکٹ نکالا۔ وہ پنجوں کے بل اس کتے کے قریب آ کر بیٹھی۔

”آجاؤ ادھر میرے پاس آجاؤ۔۔۔۔“ وہ اسے پچکارنے لگی۔ پھر بسکٹ نکال کر اسے دکھائے۔ بچہ شاید بہت

بھوکا تھا، مگر ڈرا ہوا بھی وہ ہراساں نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔

"اب میں تمھیں ہاتھ بھی لگاؤں؟" وہ رونے والی ہوئی لیکن ہمت نہ ہاری، دستانے والے ہاتھ محبت سے اس کے سر پر پھیرے۔ یہاں تک کہ وہ پر سکون ہو گیا۔ تب آراہ نے اسے بسکٹ کھلائے۔ اسے یہاں بیٹھے بیٹھے پندرہ منٹ ہو گئے یہ یاد نہ رہا کہ وہ کتوں سے چڑتی ہے، یہ بھول گیا کہ وہ گھٹنوں کے بل بیٹھی ہے، اگر کچھ یاد تھا تو یہ کہ ایک سانس لینے والا جسم بھوکا ہے۔

"کیسا لگ رہا ہوں؟" اس میسج کے ساتھ اس کا موبائل بجا۔ "مجھے لگتا ہے تمھارے چچا نکاح کی تاریخ ہی رکھ دیں گے۔"

سیاہ رنگ کی پورے آستینوں والی شرٹ کے اوپر سفید لائنوں والا بغیر بازوؤں کا سوئیٹر پہنے اس نے چشمہ اسٹائل سے ناک پر ٹکا رکھا تھا۔ گلے کی چین اپنی جگہ سلامت۔ آراہ کے لبوں پر ہلکی مسکراہٹ دوڑ گئی۔ کمبخت تھا تو خوبصورت۔

"ٹھیک ہی لگ رہے ہو اتنے کچھ خاص بھی نہیں۔ چاچو کہیں انکار ہی نہ کر دیں۔"

"چچا چھوڑو یہاں تو تم رخصتی کے لیے تیار لگ رہی ہو۔" اب کے اس نے وائس میسج بھیجا۔ "کہاں ہو تم تصویر بھیجو میرا موڈ تو اچھا ہو ذرا۔"

آراہ نے کیمرہ کھولا اور چھوٹے سے کتے کے بچے کے ساتھ ایک تصویر بنا کر اسے بھیجی۔ شاہ ویر موبائل پر نگاہیں جمائے کیفے کے اندر داخل ہوا۔ اس کے اندر آنے پر ونگ چارمز اور شاہ زید کے میسج کی ٹون ایک ساتھ بجی۔ کیفے کے وسط اور کونوں سے کئی آوازیں بھی آئیں۔

"شام پانچ بجے، کیفے چائے خانہ۔ آدمی کا حلیہ۔ سرمئی سوئیٹر، نیلی جینز۔ نام "ایجنٹ اسکار"۔" ساتھ ایک تصویر بھی بھیجی گئی۔

شاہ ویر بنگش کا دل دھک سے رہ گیا۔ سرمئی سوئیٹر اور جینز والا آدمی اسی میز پر بیٹھا تھا جہاں پہنچنے کے لیے اسے

انارا نے کہا تھا۔ وہ اسے جانتا تھا۔ انارا کا چچا، سہر اب یمن۔۔۔۔۔ یا پھر؟ ایجنٹ اسکار؟ موبائل ایک بار پھر بجا شاہ زید کی چیٹ میں کوئی تصویر لوڈ ہو رہی تھی۔ اس کا دل شدت سے چاہا کہ یہ آدمی کوئی اور ہو۔۔۔۔۔ محبت کی اس کہانی میں ایک اور مسئلہ نہ ہو مگر تصویر لوڈ ہو گئی اور وہ کھڑے کھڑے ساکت ہوا۔ موبائل اس کے ہاتھوں سے پھسلتے پھسلتے بچا۔ اس نے بے یقینی سے نگاہ اٹھا کر سامنے دیکھا۔

ایجنٹ اسکار وہی تھا، سہر اب افتخار یمن۔

کوئی اس کے قریب سے گزر کر گیا۔ ونگ چارم ایک بار پھر بجے، آراہ اور زید کے پیغامات آنے لگے۔ اس کے موبائل کی تیز آواز پر لوگ اسے تادیبی نظروں سے گھور رہے تھے مگر وہ تو جیسے جم گیا تھا۔ نگاہیں ایک نقطے پر ساکت۔

سہر اب آگے آیا اس کے سامنے رکتے ہوئے اپنا ہاتھ مصافحے کے لیے آگے بڑھایا۔ "شاہ ویر بنگش یا وکٹم نمبر اٹھارہ؟"

اس نے بہ دقت سانس لی اور اپنا سفید لمبی انگلیوں والا ہاتھ اس کی جانب بڑھایا۔ "سہر اب یمن، میرے مستقبل کے چچا سسر یا پھر ایجنٹ اسکار؟"

ہاتھ ملایا گیا۔ شاہ ویر کا ہاتھ گرم تھا، سہر اب کا ہاتھ ٹھنڈ ابرف۔ اس کی آنکھوں کی طرح۔ ان دونوں کے درمیان اتنا تناؤ تھا کہ لوگ چائے کافی چھوڑ کر ان کی طرف دیکھنے لگے۔ وہ دونوں چند لمحوں کے اندر اندر موضوع گفتگو بن چکے تھے۔

"آپ یہ سب۔۔۔۔ میرا مطلب ہے کہ۔۔۔ یہ سب؟" اس کا اشارہ "ایجنٹ اسکار" ہونے کی طرف تھا۔

"اٹس پرسنل!"

اس کا ہاتھ چھوڑتے ہوئے سہر اب یمن نے کہا۔ شاہ ویر کے گلے میں گلٹی ابھر کر معدوم ہوئی۔ یہ وہ واحد ہاتھ نہیں تھا جو چھوٹ رہا تھا، یہ اسے الہام ہوا تھا۔ اس کے ذہن میں وہ گھنٹی بجی جس میں محبت سے جدائی کا پیغام تھا۔

★★★★★★★★★★★★★★★

شاہ زید نے کمرے کا دروازہ کھولا تو ابتسام عباس اس کے سامنے کھڑا تھا۔اس کی آنکھوں میں کچھ ٹوٹ کر ابھر رہا تھا۔"پلیز شاہ ویر سے کہو مجھے معاف کر دے"اس کے لہجے میں منت تھی۔

"پیسہ لے کر دفتر پہنچو سمجھو تمہارا کام ہو گیا۔"اسلان کے موبائل پر جگمگاتا پیغام اس کے دل کو سکوت اور سکون ایک ساتھ دے گیا۔

"مجھے معلوم ہو گیا ہے تمہیں بار بار جیل کون بھیجتا ہے،جاننا ہو تو میرے دفتر پہنچو۔"عالمگیر کتنی ہی دیر موبائل آنکھوں کے آگے لیے کھڑا رہ گیا۔

"لوگ مریں یا جیئیں مجھے اس سے فرق نہیں پڑتا مجھے پیسہ چاہیے،تمکنت۔"روبینہ چیخ رہی تھیں۔

"مل جائے گا۔"بے تاثر لہجے میں دلایا یقین۔

"تمہارا وقت ختم ہونے والا ہے،پرنس چارمنگ!"اندھیرے میں کھڑے شخص کا میر کارواں کو بھیجا جانے والا پیغام۔چہرے،تاثر،خوف،بے یقینی،ازل،ابد سب کچھ سکرین پر چو کھٹوں کی صورت ٹھہر گئے۔ایک بار پھر،دوبارہ۔

★★★★★★★★★★

("پانی"دبیز پردوں والے کمرے میں بیٹھی قاری نے بس ایک لفظ کہا۔مرد ہولے سے ہنس پڑا۔

"کیا ہوا؟تم تو ابھی سے ڈر رہی ہو۔"

اس نے سر نفی میں ہلاتے ہوئے گردن کڑائی۔"میں کیوں ڈروں گی؟تم آگے سناؤ۔"

"سنا دوں گا لیکن تم یہ بتاؤ تمھیں کیا لگتا ہے آگے کیا ہو گا۔"

وہ کتنے ہی لمحے خاموش رہی۔ پھر اس کے لب بے آواز پھڑ پھڑائے۔

"بربادی"

یک لفظی تجزیہ۔)

★★★★★★★★★★★★★★

بھرم، بقا باطل کا بخرہ اول ابھی جاری ہے

اگلی قسط انشاءاللہ ایک ماہ بعد